مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ

نقوش اسلام

(جلد نمبر ٦) VOL.No.6 | جنوری، فروری ۲۰۱۲ء (Jan.Feb.2012) صفر، ربیع الاول ۱۴۳۳ھ | Issue.No.11,12 (شمارہ نمبر ۱۲/۱۱)

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی
ولیٔ کامل حضرت مولانا عبدالرحیم متالا

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
الحاج موسیٰ بھائی درسوت — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام
مولانا محمد اختر قاسمی — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی
مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی
مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ "نقوش اسلام" مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ........۱۲/روپے
سالانہ........۱۲۰/روپے
خصوصی........۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR. PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

iles\A017.TI not found. Files\A003.TIF not found. iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
نقوش اسلام کے چھ سال مکمل	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۵
مسئلہ ریزرویشن اور مسلمان	مولانا اسرار الحق قاسمی، نئی دہلی	
احساس عمل		۸
اٹھامیں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک	مولانا کبیرالدین فاران مظاہری	
غوروفکر		۱۰
بلائیں بے سبب نہیں آتیں	سید اطہر اورنگ آبادی	
شخصیات		۱۲
حضرت اویس قرنی-شخصیت......	مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی لکھنؤ	
محاسبہ		۱۵
۲۶ رجنوری نے ہمیں کیا سبق دیا؟	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
تجزیہ		۱۷
ذرائع ابلاغ اور تخریب پسند عناصر	مولانا حسرت علی قاسمی ندوی	
حقائق		۲۳
دل کیا چیز ہے؟	ڈاکٹر م، ق، سلیم، حیدر آباد	
نظروفکر		۲۶
ذات برادری کی سیاست اور قرآن	مولانا سلمان عبدالصمد ندوی	
دعوت دین		۲۹
صبر کی حقیقت اور اس کے فوائد	محمد مسعود عزیزی ندوی	
نقطہ نظر		۳۷
تفریح-اس کے جائز وسائل......	مولانا عبیداللہ ندوی، گجرات	
اکتساب نفس		۴۰
توبہ کا دروزاہ ہر وقت کھلا رہتا ہے	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات		۴۷
آپ کے خطوط	ادارہ	
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
$\frac{1}{4}$ صفحہ //	....	۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۲۰ر روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسیٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الهند)

اداریہ

نقوش اسلام کے چھ سال مکمل

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ تعالی کی توفیق اور مدد سے ''نقوش اسلام'' اس شمارے کے ساتھ اپنی زندگی کی چھ منزلیں پوری کررہا ہے، جس پر ہم تمام اراکین ادارہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں سراپا شکرگزار ہیں کہ محض اس کی نصرت اور مدد سے اب تک یہ رسالہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا رہا، جس کا حلقہ بھی وسیع ہوا، قارئین کی دلچسپی بڑھی، بعض مبصرین نے رسالہ کے معیار اور مضامین کے تنوع اور تسلسل کی بنا پر اس کو بعض معاصر رسائل پر فوقیت دی، بعض مدیران رسائل نے اس کے مضامین کو اپنے رسالوں میں نقل بھی کیا، بعض احباب ہر ماہ رسالے کا شدت سے انتظار کرتے ہیں، اور رسالہ ملتے ہی فوراً فون پر اپنے تأثرات پیش کردیتے ہیں، بعض تحریری طور پر اپنے جذبات وتأثرات کو پیش کرتے ہیں، جن کو رسالہ کی ڈاک میں شائع بھی کیا جاتا ہے، بعض اکابر بزرگ بھی رسالہ کی آمد کا انتظار کرتے رہتے ہیں، اور اس سلسلہ میں برابر پوچھتے رہتے ہیں، اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سال بھر میں جو اداریئے مدارس کے متعلق لکھے گئے، قارئین نے ان کو پسند کیا، بعض نے ان کی فوٹو کاپیاں کراکے تقسیم کیں، بہت سے دوستوں نے ان کو الگ سے کتابی شکل میں شائع کرنے کا تقاضہ کیا، چنانچہ وہ تمام مضامین ''مدارس اسلامیہ کا نظام -تحلیل وتجزیہ'' کے نام سے شائع ہوئے، جن کو سنجیدہ طبقہ نے گرانقدر نگاہوں سے دیکھا اور پسندیدگی کا اظہار کیا، کیونکہ مدارس اسلامیہ ہی دین کی بقا کے ذرائع ہیں، اس لیے مدارس کی حفاظت اور ان کی کارکردگی کو عمدہ سے عمدہ کرنے کی شدید ضرورت ہے، اللہ کے یہاں یہ اصول ہے کہ جس چیز میں نافعیت، انفعیت اور افادیت پائی جاتی ہے اس کو زیادہ دن تک باقی رکھا جاتا ہے، اس لئے اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، آج کے اس پرآشوب دور میں سب اپنی اپنی فکر میں لگے ہوئے ہیں، جو ہم سب کے لئے خاص طور پر مدارس کے ذمہ داران کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

ان چھ سالوں کے اندر نقوش اسلام کی مجلس ادارت کے رکن حضرت مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے تجربات اور قرآن وحدیث کی روشنی میں جو اصلاحی اور دعوتی مضامین لکھے ہیں، ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ مولانا کی زندگی میں ان کے یہ مضامین یکجا ہوکر طبع ہوجائیں تو امت کو فائدہ ہوگا، اور مولانا کے حسنات اور باقیات الصالحات میں اضافہ ہوگا، اس لیے ان مضامین میں سے ۳۰ قیمتی مضامین کا انتخاب کرکے ''توشۂ آخرت'' کے نام سے مستقل ایک کتاب شائع کی جارہی ہے، بقیہ مضامین بھی انشاء اللہ طبع ہوں گے۔

اس طرح رسالہ کی مقبولیت اور مداومت پر جہاں اللہ تعالی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے،ساتھ میں ہم اپنے تمام قارئین، کالم نگار، قلم کار حضرات اور جملہ معاونین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جو رسالہ کے لئے قلمی تعاون بھی کرتے ہیں، روحانی تعاون بھی اور مادی تعاون بھی، غرضیکہ جو جس لائن اور جس لحاظ سے تعاون کرتے ہیں ان سب کے تہ دل سے شکر گزار ہیں، اور اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ کسی بھی انسانی کوشش کو جب اللہ تعالی کے فضل کے ساتھ اچھے اور مخلص معاونین بھی مل جائیں تو اس کوشش کو برگ وبار لانے میں اور مقصد حاصل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی، اس لیے ہم اپنے تئیں کتنی بھی محنت اور کوشش کرلیں اور اس کی اشاعت کے سلسلہ میں کتنی بھی بھاگ دوڑ کرلیں اور کتنا ہی اس پر اثاثہ خرچ کرلیں، اگر اس کام میں خدا کا فضل اور قارئین کی دلچسپی نہ ہو تو ہماری یہ تمام تر کوششیں بیکار ثابت ہوں گی، اس لئے ہم اپنے تمام قارئین سے دعا کی بھی گزارش کرتے ہیں اور تعاون کی بھی، اور ساتھ ہی قارئین کی اچھی آراء کے منتظر بھی ہیں، تاکہ رسالہ کے معیار کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی جائے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی معاونین کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور ان سے امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح سے اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔

اطلاع عام

قارئین کرام، جملہ قلم کار، سیرت نگار اور تاریخ داں حضرات کو اطلاع دی جاتی ہے کہ صاحبزادۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی نے بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے والد ماجد ''حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلویؒ'' کی سوانح حیات لکھنے کے لیے محمد مسعود عزیزی کو مامور کیا ہے، اس لئے قلم کار حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ موصوف سے متعلق کسی کو کہیں بھی، کیسی بھی معلومات ملے، یا کسی کتاب یا رسالہ میں کچھ مواد ہو، یا کسی لائبریری میں قلمی معلومات ہو تو اس تمام معلومات کو فوٹو کاپی کراکے یا نقل کراکے سادی ڈاک، رجسٹرڈ ڈاک، یا بیرنگ ڈاک، کوریئر، فیکس، ای میل کے ذریعہ سے ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، اور اس کار خیر میں حصہ لیکر علمی تعاون فرمائیں، جس کی طرف سے جو تعاون ہوگا، ان شاء اللہ امانت داری سے شکریہ کے ساتھ مذکورہ کتاب میں ان کا نام درج کیا جائے گا۔

المعلن: محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (انڈیا)
Mob:09719831058,Ph:0132.2775452 فیکس:0132-2647149
Email:masood_azizinadwi@yahoo.co.in

جائزہ

مسئلہ ریزرویشن اور مسلمان

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

ہندوستان میں ایک بڑی آبادی مفلوک الحالی سے دوچار ہے، یہ بات ظاہر ہے،اوراس سلسلہ میں مختلف تفصیلی رپورٹیں منظر عام پر آچکی ہیں،غربت وافلاس کے حالات کن طبقات پر گزر رہے ہیں،اس تعلق سے بھی تفصیلات موجود ہیں،سچر کمیٹی کی رپورٹ صاف طور پر بتاتی ہے کہ ملک میں سب سے زیادہ پچھڑے ہوئے مسلمان ہیں،یعنی مسلم طبقہ ایسا ہے جوسخت غریبی سے دوچار ہے، نہ اس کی تعلیمی حالت بہتر ہے اور نہ معاشی حالت مستحکم ہے،ملازمتوں میں مسلمانوں کا شرح فیصد آبادی کے لحاظ سے انتہائی کم ہے،کسی شعبہ میں بمشکل دو چار فیصد ہیں،کسی میں ایک فیصد اور کسی میں اس سے بھی کم، خاص طور سے اعلی ملازمتوں میں مسلمانو ں کی شمولیت بہت کم ہے،یہی صورت حال سیاسی سطح پر بھی ہے کہ پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی ان کی آبادی کے لحاظ سے ایک ربع سے زیادہ نہیں ہے،صوبائی اسمبلیوں میں بھی ان کی سیاسی حالت خاصی خستہ ہے، ایسے میں ان کے پستی سے نکل کر ترقی وخوشحالی کی راہ پر آنا تقریبا دشوارتر نظر آتا ہے؛ کیونکہ یہ دور مقابلہ اور وسائل کا دور ہے،جس کے پاس جس قدر وسائل ہونگے ،اسی قدر اس کی ترقی وکامیابی کے امکانات ہیں لیکن جوشخص وسائل سے محروم ہے،اس کے لئے ان لوگوں کے برابر آنا جولوگ وسائل وذرائع سے لیس ہیں مشکل امر ہے، پھر یہ کہ اہل ثروت اوراثرورسوخ والے لوگ اورطبقات مزید آگے جانے کی خواہش رکھتے ہیں اور ہرمیدان اکیلے سر کرلینا چاہتے ہیں،ایسے میں کمزورطبقات کے مزید پیچھے چلے جانے کے امکانات اورزیادہ بڑھ جاتے ہیں،اب سوال یہ ہے کہ آخر پسماندہ طبقات کو کیسے آگے لایا جائے؟ ظاہری بات ہے کہ اس کے لئے سرکار کی مدداورخصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

ملک کو ترقی کی طرف لے جانے کے لئے ضروری ہے کہ تمام طبقات کو خوش حال بنایا جائے،بیس تیس فیصد آبادی کی غربت کے ہوتے ہوئے ملک کی خوشحالی وترقی کا دعوی نہیں کیا جاسکتا،اس میں شک نہیں کہ ہمارا ملک ترقی کررہا ہے اورشرح نمو میں اضافہ ہورہا ہے جس کے سبب اب ملک کی نئی نسل ہندوستان کو ترقی یافتہ دیکھنا چاہتی ہے،سرکار کی بھی یہی خواہش ہے اورتمام باشندگان ہندکواسی کے حق میں ہونا بھی چاہئے،کون نہیں چاہے گا کہ دنیا میں ہمارا ملک ترقی یافتہ مما لک کی فہرست میں ہو؛لیکن اب سوال یہ ہے کہ آخر ملک کو ترقی یافتہ بنایا کیسے جائے؟ ظاہری بات ہے اس کے لئے پورے ملک کو بنیادی سہولیات سے آراستہ کرنا ہوگا اورتمام شہریوں کواعلی سہولیات دینی ہونگی لیکن ہمارے سامنے ابھی تو مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی تقریبا ایک ربع سے زیادہ آبادی مفلوک الحالی کی شکار ہے،اس کے پاس نہ ملازمتیں ہیں، نہ کاروبار، اعلی سہولتیں تو دور بنیادی سہولتیں تک نہیں،یہی نہیں بلکہ کروڑوں لوگوں کو دووقت کی روٹی اور ڈھنگ کے کپڑے میسرنہیں ، کتنے لوگوں کے سروں پرصحیح سالم چھت اورگھر کی چہاردیواری نہیں،یہ سب کچھ رہتے ہوئے آخر ملک کی ترقی کا خواب کیسے شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے،مفلوک الحال طبقات کی فہرست میں سب سے پہلا نام مسلمانوں کا آتا ہے جن کی آبادی بعض آزاد ذرائع بیس فیصد سے زائد بتاتے ہیں،مسلمانوں کے علاوہ اوربھی طبقات ہیں جوکسمپرسی کی زندگی

بسر کر رہے ہیں اور ان کے سامنے ترقی کی راہیں مسدود ہیں۔

پسماندہ طبقات کو آگے لانے کے لئے سب سے کامیاب فارمولا ریزرویشن ہے،اس کا تجربہ درج فہرست ذات وقبائل پر کیا جا چکا ہے، ملک کی آزادی سے پہلے ان کی معاشی،تعلیمی اور سماجی حالت سب سے زیادہ گئی گزری تھی اور وہ ہزاروں سال سے پسماندہ چلے آرہے تھے؛ لیکن جب انہیں ریزرویشن ملا، ہر شعبے میں ان کے لئے ملازمتوں کی جگہ رکھی گئی تو چند دہائیوں میں ان طبقات کے حالات بدل گئے، آج اسی طرح کے ریزرویشن ان دیگر طبقات کو دینا بھی ضروری ہوگیا ہے جو زبوں حالی کے شکار ہیں، سچر کمیٹی کی رپورٹ نے سب سے گئی گزری حالت مسلمانوں کی بتائی ہے، اس لئے ان کے لئے ریزرویشن ناگزیر ہے، سچر کمیٹی کی سفارشات میں بھی مسلمانوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے اس کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

ابھی حال ہی میں ساڑھے چار فیصد ریزرویشن کا اعلان ہوا ہے مگر صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ دیگر اقلیتیں بھی اس میں شامل ہیں، اگر اکیلے مسلم آبادی پر نظر دوڑائی جائے تو مجموعی طور پر مسلم طبقہ کو آگے بڑھانے کے لئے یہ ریزرویشن ناکافی ہے لیکن اس میں دیگر اقلیتی طبقات کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، پھر بھی یہ چند فیصد ریزرویشن فائدے سے خالی نہیں ہوگا اور اس سے ایک حد تک اقلیتوں کو فائدہ ہوگا، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کا استقبال کیا جارہا ہے اور اسے بھی غنیمت خیال کیا جارہا ہے۔

حیران کن امر یہ ہے کہ اقلیتوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے مذکورہ جس ریزرویشن کا اعلان کیا گیا ہے، سخت گیر جماعتیں اس کی مخالفت کررہی ہیں، بی جے پی اس مخالفت میں پیش پیش ہے، بی جے پی سینئر رہنما ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی اقلیتوں کے ریزرویشن پر چراغ پا نظر آرہے ہیں اور وہ اقلیت پر بحث کی بات کررہے ہیں، یہی نہیں بلکہ انہوں نے سچر کمیٹی کے مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کے مشورے کو ملک کی ایک اور تقسیم پر محمول کیا ہے، انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن کا کوئی نظم نہیں ہے؛ لیکن مرلی منوہر جوشی یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ سچر کمیٹی نے مسلمانوں کو ریزرویشن کا مشورہ ان کے مذہب کے سبب نہیں دیا بلکہ ان کی غربت کی وجہ سے دیا، پورا مسلم طبقہ غربت کے زمرے میں آتا ہے، ان کی اس غربت کو سامنے رکھ کر ریزرویشن دینے کی بات کہی گئی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ مسلمانوں کو مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن دیا جارہا ہے غلط ہے۔

دراصل مسئلہ یہ ہے کہ بی جے پی اور بعض سخت گیر ہندو جماعتیں مسلم دشمنی میں یقین رکھتی ہیں، شروع سے ہی مسلم دشمنی ان کا ٹارگیٹ رہا ہے، بی جے پی کی سیاست کی بنیاد بھی مسلم دشمنی ہی ہے، اسی لئے اس کی طرف سے مسلمانوں کی دل آزاری والی باتیں سامنے آتی ہیں، کبھی بھاجپائی لیڈران مسلمانوں کے خلاف جذباتی نعرے لگاتے ہیں کبھی ان کے مذہب پر حملے کرنے کوشش کرتے ہیں اور کبھی فرقہ پرستی کی فضاء تیار کرتے ہیں، ایل کے اڈوانی کی پہلی رتھ یاترا کے دوران نفرت کا ماحول تیار کیا گیا تھا، جب ہزاروں شرپسندوں کے ذریعہ بابری مسجد شہادت کی گئی تھی تو اس وقت یوپی میں بی جے پی کی حکومت تھی، بی جے پی نے رام مندر کی بات کو بار بار اٹھایا ہے؛ کیونکہ وہ اس کی بنیاد پر ہندوعوام کا ووٹ حاصل کرنا چاہتی ہے، ملک کی ترقی اس کے پیش نظر نہیں ہے، اس کے لیڈران یہ نہیں سوچتے کہ ملک کو ترقی یافتہ ہونا چاہئے، ملک سے غربت کا خاتمہ ہونا چاہئے، وہ نہیں چاہتے کہ ملک میں امن وامان کی ہوائیں چلیں، وہ نہیں چاہتے کہ ملک کا ہر شہری خوشحال ہو، وہ نہیں چاہتے کہ دنیا میں ملک کا نام روشن ہو، انہیں تو اگر مطلب ہے تو صرف اقتدار کی کرسی اور مسلم دشمنی سے۔

گجرات میں مودی نے اقتدار کے لئے مسلم دشمنی کو حربہ بنایا، 2002 کے گجرات فساد میں مودی نے فسادیوں کو کھلی چھوٹ دے کر اپنی مسلم دشمنی کا اظہار کیا، اس نے یہ تاثر دیا کہ مودی وہ نام ہے جو مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور ملک کی سرزمین پر مسلمانوں کو نہیں دیکھنا چاہتا، چنانچہ شدت پسند جماعتیں اس کے گرد تھیں، انہوں نے

اس کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس کے لئے ماحول کو سازگار کیا،نتیجہ یہ ہوا کہ جب الیکشن ہوئے تو مودی کو دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا،عوام جذبات میں آگئے۔

معلوم ہوا کہ بی جے پی لیڈران اپنی جیت کی بنیاد مسلم دشمنی پر رکھتے ہیں،حقیقت بات یہ ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کے دشمن نہیں بلکہ ملک اور ملک کی ترقی کے بھی دشمن ہیں اگر وہ ملک کی ترقی چاہتے تو اقلیتوں کے ریزرویشن کا استقبال کرتے بلکہ اور زیادہ کا مطالبہ کرتے، بی جے پی کی مخالفت صرف ریزرویشن کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر معاملہ میں وہ مسلمانوں کی مخالفت کرتی نظر آتی ہے،اگر اقلیتوں کے لئے کسی اسکیم کی بات آتی ہے تو بی جے پی اس کے خلاف نعرے بازی کرتی ہے؛لیکن اشتعال انگیزی زیادہ دیر تک چلنے والی نہیں ہے،ملک کے عوام اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ انہیں کس چیز کی ضرورت ہے، ملک میں کیا ہونا چاہئے،گذشتہ دوبار لگاتار پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی کو منہ کی کھانی پڑی ہے،جو اس بات کا اشارہ ہے کہ اب ملک کے عوام بی جے پی کی اشتعال انگیزی میں آنے والے نہیں ہیں اور وہ اس کی حقیقت کو سمجھ گئے ہیں۔

❁❁❁❁

دینی،دعوتی،علمی،ادبی تحقیقی اور فکری ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

❁ چھ سال پورے ہونے پر ❁

ہم تمام کارکنان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں

ظہور احمد قاسمی

مہتمم: جامعہ عربیہ قاسم العلوم

وویکانند پوری،سرائے روھیلہ،نئی دہلی

گجرات میں تجوید وقراءات کی خدمات پر سیمینار

قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آئندہ ۴/۵/اپریل بروز جمعہ وجمعرات جامعۃ القراءات کفلیتہ ضلع سورت گجرات میں ''گجرات پیمانہ'' پر تجوید وقراءات کی خدمات پر ایک سیمینار منعقد ہوگا،جس میں مندرجہ ذیل عناوین منتخب کئے گئے ہیں:(۱) گجرات میں تجوید وقرأت کی خدمات کی تاریخ (۲) اپنے کتب خانوں میں تجوید وقرأت سے متعلق قدیم وجدید کتابوں کی فہرست،مصنف کا نام اور مکتبہ کی نشان دہی (۳) رسم عثمانی سے متعلق کتابیں اور مصاحف عثمانیہ قدیمہ مخطوطہ ومطبوعہ کی دریافت (۴) آپ کے مدرسہ سے تجوید وقرأت کی تحصیل کے بعد ملک وبیرون ممالک میں تجوید وقرأت پر ان قراء کی خدمات۔

مدارس اسلامیہ کے باذوق اساتذہ کرام سے گزارش ہے کہ مذکورہ عناوین میں سے کسی عنوان پر محقق ومدلل اور پر مغز مقالہ تحریر فرما کر وقت سے قبل بھیجنے کی کوشش کریں اور پروگرام میں شرکت فرما کر بھی مشکور فرمائیں، مزید معلومات کیلئے رابطہ کریں۔

المعلن: جناب قاری اسماعیل بسم اللہ مہتمم جامعۃ القرأت کفلیتہ،سورت،گجرات

Qari Ismail Bismillah Jamiatul Qira'at
M.A.HaiNagar.At.Kapleata,Lajpur.Distt.Surat
Mob:09978037097 09925795788

راجستھان کے مرکزی اور دینی وعصری اعلی تعلیم وتربیت کے مثالی ادارہ کی طرف سے ماہنامہ نقوش اسلام کے

❁ چھ سال پورے ہونے پر ❁

ان کے ذمہ داران حضرات کو مبارک پیش کرتے ہیں

محمد عامر صدیقی ندوی

ناظم: مرکز الامین الاسلامی

پھول باغ روڈ،بھیرٹونک (راجستھان)

احساس عمل

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا، ہماچل

مدارس اسلامیہ، مکاتب دینیہ، مراکز علمیہ، مساجد اور خانقاہیں اسلامی احکام و ہدایات اور اصلاح و تبلیغ کے سرچشمے ہیں، جو اسلام کی روح، دین و ایمان کی بقاء، اخلاق و اعمال کی حفاظت اور ملک وملت کے لیے رحمت کا ذریعہ ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو بندہ اور خالق کا رشتہ کمزور پڑ جائے، زندگی کی کھیتی خشک ہو جائے، اس میں جمود و تعطل پیدا ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں جن ملکوں میں مدارس و خانقاہوں کا یہ سلسلہ اور نظام نہیں وہاں اسلام اور شعائر اسلام کی بقاء مشکل ہے، بلکہ وہاں بے دینی کا عام ماحول ہے، ماضی میں ان کا اب تک اہم کردار اور رول رہا ہے۔

مگر افسوس کہ آج مدارس اسلامیہ پر نظر ڈالنے والا ان کے کردار سے مایوس اور نمناک اٹھتا ہے، جس حمیت و غیرت، جذبہ و حوصلہ، نگاہ و بصیرت اور احساس و شعور کے ساتھ یہ سلسلہ چلا تھا، جس میں محض تعلیم ہدف اساسی نہ تھی بلکہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ و ذریعہ تھی، جو خلافت ارضی کا راز اور وراثت نبوت کا مشن اور امت اسلامیہ کا فرض منصبی ہے، آج مدارس کی جو صورتحال ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں: ع

نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

نہ علم کی پختگی ہے، نہ عمل و کردار، نہ زمانہ پر نظر ہے، نہ سرمایہ سے واقفیت، نہ جدید کی معلومات ہیں اور نہ قدیم پر گرفت، ہر سال ہزاروں طلبہ فارغ ہوتے ہیں، وہ جن کو ملت کا قائد ہونا چاہئے تھا، وہ کہاں چلے جاتے ہیں، قومی سرمائے اور اجتماعی جدوجہد سے چلنے والے یہ ادارے ایسے پرزے تیار کر رہے ہیں جو زندگی کے کسی شعبہ میں فٹ نہیں ہوتے، اگر ان میں کوئی باہمت و ذی شعور اور حوصلہ مند ہوتا ہے تو اس کا اشہب فکر ایک ''نئے مدرسے'' کے قیام کے لیے دوڑتا ہے، طرہ یہ کہ ہر شخص مطمئن و قانع ہے، اگر موروثی نظام پر قناعت اور ''اکابر واسلاف'' کے فرمودات کو نص قطعی کا درجہ دیا جاتا رہے، خوب سے خوب تر کی تلاش کے بجائے، نظام تعلیم وتربیت پر زمانہ کی ضروریات و تقاضوں کے مطابق غور کرنے کے بجائے اپنے نظام و منہج کو تقدس کا درجہ دیا جائے، تو پھر مطلوبہ کردار اور صالح مستقبل کی امید کیسے کی جاسکتی ہے، اگر ہمارے قائدین صحیح احتساب سے کام لیں، نظام تعلیم وتربیت کو کسی ''نظام وفکر'' سے ہم آہنگ کرنے سے پہلے نظام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے موازنہ بلکہ اسی کو نقشہ راہ بنائیں تو تقدیر کے فیصلہ پھر بدل سکتے ہیں۔

صورت شمشیر ہے دست قضاء میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا احتساب

اس وقت جب کہ فتنوں کا دور دورہ ہے، زندگی کے ہر شعبے میں چاہے دینی ہو یا دنیوی، ہر جگہ خرافات اور بے راہ روی نے جنم لے لیا ہے، ایسے حالات میں ہر زمانہ کی طرح کچھ حضرات نے اس بے راہ روی کے خلاف آواز لگائی تھی جو صدا بصحرا ثابت ہوئی، اس لئے جم غفیر میں بہت کم نظر آرہا ہے، جو درد کا مداوا کر سکے، جو سلف و خلف کا نمونہ بن کر اصلاح حال کی کوشش کر سکے، جو شریک غم ہو کر مدارس کے گھٹتے معیار کو بلند کرنے کی تدابیر اور اصلاح کے لیے سر جوڑ کر بیٹھ

سکے،مگر اللہ تعالی کی توفیق سے خزاں رسیدہ چمن کی آبیاری کے لیے ایک دل دردمند،فکرارجمند،اورزبان ہوشمند کی حامل شخصیت محبّ مکرم حضرت مولانا قاری مفتی محمد مسعودعزیزی ندوی مدظلہ ’’مدارس اسلامیہ کا نظام-تحلیل وتجزیہ‘‘ کا تحفہ لے کرنمودار ہوئی،جس میں شکوہ بھی ہے اور جواب شکوہ بھی، درد وزخم بھی اور مرہم ومداوے کی تمام شکلیں بھی، جوایک مخلص عالم دین کی آہ وتڑپ، واقعات وحالات کی عالمانہ جستجو اور تجزیہ کا بہترین شاہکار ہے، واقعہ یہ ہے کہ مدارس اور متعلقات کے سوئے مقدر کو جگانے کے لیے عمدہ تدابیر اور مشکلات کا بہترین اور آسان حل بھی اس کتاب میں موجود ہے، جو کتاب کے ہر مضمون بلکہ ہر صفحہ سے ظاہر ہے۔

خوابیدہ ماحول اور واہ واہی کے اس دور میں بلاکم وکاست اور بلاکسی رورعایت کے مدارس اسلامیہ کی تعلیم وتربیت، علماء، ائمہ اور مبلغین کے فرائض کی ادائیگی میں پیداشدہ غفلتوں پر اس کتاب کا ہر مضمون نصیحت آمیز تازیانہ اور ایک خوشبو دار کنول کی حیثیت رکھتا ہے، جو اس پرفتن وپرآشوب دور میں کھل کر آیا ہے، بلاشبہ مدارس، مکاتب، مساجد ومراکز کے نظام اور ماحول میں اس کتاب کے مطالعہ سے بہتری اور عمدگی لائی جاسکتی ہے۔

منتظمین ومدرسین، ائمہ اور مبلغین حضرات کی بے اعتنائیوں اور غفلتوں کا مصنف کے قلم پر خاصہ اثر ہے، جس کا اثر بعض جگہ ایک حاذق طبیب، خیرخواہ جراح کی شکل میں بھی نظر آتا ہے، جس کو اصلاح احوال کی مخلصانہ نیت پر قارئین کومحمول کرنا چاہئے اور ہر اصلاح پسند قاری کو غیر جانب دار اور بہترین رفیق کار ہوکر یہ آواز دور تک اور ہر طبقہ تک پہنچانی چاہئے، پھر اس سے ان شاء اللہ حالات کے سازگار ہونے، مقصد تک پہنچنے، اضمحلال کے دور ہونے، ناامیدی کے سیاہ بادلوں کے چھٹنے، اور صالح انقلاب کے برپا ہونے کی بڑی قوی امید ہے، اللہ تعالی سے مدارس، مساجد، مراکز کے اصلاح حال، کتاب کی مقبولیت اور مصنف کی محبوبیت اور دارین میں سرخروئی کی دعا ہے، وماذلك على الله بعزيز۔

مدارس اسلامیہ کا نظام-تحلیل وتجزیہ

’’مدارس اسلامیہ کا نظام-تحلیل وتجزیہ‘‘ مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی ایک اہم تصنیف ہے، جس میں مدارس کے تعلق سے بہت قیمتی باتیں لکھی گئیں، جو مدارس کے ذمہ داران، نظماء اور مہتممین حضرات اور طلبہ عزیز کیلئے ایک بہترین شاہکار ہے، ویسے تو یہ کتاب آدم گری اور مردم سازی کا کام کرنے والوں کے لیے بہت قیمتی ہے، مدارس کے تئیں پائی جانے والی اچھائیوں اور خامیوں پر جس کی نظر ہوگی وہ ضرور اس کتاب سے فائدہ اٹھائے گا کیونکہ اس کے مضامین میں مدارس کے تعلق سے جتنے بھی پرزے کام کرتے ہیں یا کرنے والے ہیں، چاہے وہ جس زاویہ کے ہوں، ان پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اوران مضامین کو بڑی جانفشانی نے یکجا کیا گیاہے، جیسے موتیوں کو لڑی میں پرودیا جاتاہے، کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، ایک سوبیس ۱۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے، جس کی رعایتی قیمت صرف ۳۰ر روپئے ہے، اس کے ابواب کے عناوین مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مدارس کی اہمیت وافادیت اوران کی ذمہ داری
۲- مدارس کا نظام تعلیم وتربیت
۳- مدارس کے قیام وطعام کا نظام
۴- مدارس کا نظام مالیات وحصول زر
۵- مدارس میں فری تعلیم اورفیس کا نظام
۶- مدارس کا نظام دعوت وتبلیغ اورتزکیہ واحسان
۷- مدارس کا نظام اہتمام وشوری
۸- فارغین مدارس کی ٹریننگ اورتنخواہوں کا معیار
۹- مہتممین، مدرسین، طلباء کرام اورعوام کی سوچ اورانکی ذمہ داری
۱۰- طلبہ مدارس کا مقام ومرتبہ اوران کی ذمہ داری
۱۱- بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اساتذہ اور اہل مدارس کی ذمہ داری
۱۲- مدرسہ بورڈ، امیدیں، اندیشے اورمشورے
۱۳- مکاتب دینیہ کا قیام اوران کی افادیت واہمیت

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

غور وفکر

بلائیں بے سبب نہیں آتیں

سید اطہر اورنگ آباد، مہاراشٹر

قرآن پاک کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک لاجواب خوبی یہ ہے کہ وہ ساری انسانیت کے لیے کتاب ہدایت ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے، غور وفکر کی صلاحیت، علم وہنر کی نعمت اور عقل وخرد کی دولت سے نوازا گیا ہے، لیکن انسانوں کی اکثریت اس صلاحیت، اس نعمت اوراس دولت سے کماحقہ استفادہ نہیں کرتی، ان کی غفلت اور لاپرواہی پر خود اللہ تعالی اظہار تأسف فرماتے ہیں، کہیں ارشاد ہوتا ہے: "وَلَاكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ" لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے "لایتذکرون" سوچ سے کام نہیں لیتے، اور کہیں فرمایا" لایتدبرون" تدبر نہیں کرتے، وغیرہ وغیرہ۔

خالق کائنات کا اپنی محبوب مخلوق پر جسے اس نے زمین پر اپنا خلیفہ نامزد کیا ہے، افسوس کرنا بالکل حق بجانب ہے، کیونکہ انسان عموماً اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتا، ناسمجھی کے دلدل میں پھنسا رہتا ہے، اختلاج قلب اور اضطراب ذہن میں مبتلا رہتا ہے، کیونکہ وہ غور کرنے کی زحمت اور سمجھنے کی کوشش سے پہلوتہی کرتا ہے، دیکھا جائے تو غور کرنے کے لیے اس عظیم کائنات میں نہ تو عوامل کی کمی ہے، اور نہ مسائل کا فقدان، بے شمار واقعات ہیں جو ازل سے ظہور پذیر ہیں، اور ابدتک ان کا سلسلہ جاری وساری رہے گا، ان میں سے ایک عمل ایسا ہے جس کا مشاہدہ ہم تقریباً ہر روز کرتے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ کوئی نہ کوئی حادثہ دیکھنے میں، پڑھنے میں یا سننے میں نہ آتا ہو، کہیں طوفان اور سیلاب ہے، کہیں ہوائی جہاز کے گرنے، ٹرینوں کے آپس میں ٹکرانے کی خبر ہے، تو کہیں زلزلے یا زمین کھسکنے کی اطلاع ہے، جن میں جان ومال کا بڑا نقصان اور خوف وفکر کی فضا پیدا ہوجاتی ہے، دل دہل جاتے ہیں اور سکون قلب عنقاء ہو جاتا ہے، کہیں دہشت گردی کے، تو کہیں اندرونی بغاوت کے چرچے ہیں، غرض تباہی وبربادی، قتل وغارتگری، زورزبردستی اور لوٹ مار کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتا، بقول شاعر: ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

اس پس منظر میں انسانوں کی بڑی بھاری اکثریت محو حیرت ہے کہ آخر مصیبتوں کے پہاڑ ان پر کیوں ٹوٹتے ہیں؟ قدرت ان پر کیوں غضب ڈھاتی ہے؟ قہر خداوندی کیوں نازل ہوتا ہے؟ رحیم وکریم مالک کیوں قہار وجبار بن جاتا ہے، اس میں مشیت ایزدی کی کیا مصلحت ہے؟ ان تمام سوالوں کے جوابات بھی آیات قرآنی میں نہایت واضح انداز میں، نہایت صاف صاف طریقہ سے سمجھائے گئے ہیں، ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت معنی ومطلب کے ساتھ کی جائے، ساتھ ہی غور وفکر، سمجھداری اور تدبر سے کام لیا جائے، تو کوئی بھی نکتہ سمجھ سے بالاتر نہیں، مشکل ہے تو فقط اتنی کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ نہیں لیتے، اس صورت حال کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

نہیں جاتی کہاں تک عقل انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

آیئے ان آیات کا مطالعہ کریں جن میں ان تمام مصائب کا حل

موجود ہے، جوانسانوں کو پیش آتے ہیں، تمام تکالیف کی وجہ بتلائی گئی ہے، سورہ نساء کی آیت ۷۹؍ میں نہایت سلیس زبان میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:''اے انسان تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے تو وہ تیرے ہی سبب سے ہے'' یہی نکتہ سورۂ روم کی آیت ۴۱؍ میں یوں واضح کیا گیا ہے''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تا کہ اللہ تعالی ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تا کہ وہ باز آجاویں''۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض کا مطلب یہ ہے کہ اگر سب پر عقوبتیں مرتب ہوتیں تو انسانوں کا زندہ رہنا محال ہوتا۔

اسی طرح کا مفہوم سورۂ شوری کی آیت ۳۰؍ میں موجود ہے، جس میں خالق کائنات کا ارشاد ہے''اور تم کو (اے گنہ گارو!) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے سو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے، اور بہت سے تو اللہ تعالی درگزر ہی کردیتا ہے'' یہاں بھی غور طلب نکتہ یہ ہے کہ تمام بداعمالیوں کا احتساب ہوتا ہے اور سب کی سزا دی جاتی ہے، تو زمین پر انسانوں کا جینا ناممکن ہوجاتا۔

گناہوں سے باز آنے کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۹؍ میں اللہ تعالی تنبیہ کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ''اور ہم نے بہت سی امتوں کو نوح علیہ السلام کے بعد (کفر ومعصیت کے سبب) ہلاک کیا ہے اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کا جاننے والا ہے، دیکھنے والا ہے'' سورۂ رعد میں خداوند قدوس یوں سمجھاتے ہیں:''واقعی اللہ تعالی کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل لیتے اور جب اللہ تعالی کسی قوم پر مصیبت ڈالنی تجویز کر لیتے ہیں، تو پھر اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں اور کوئی ان کے سوا ان کا مددگار نہیں ہوتا'' اللہ ہم سب کو عقل سلیم سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰؍روپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰؍روپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳؍روپئے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰؍روپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰؍روپئے

٦- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵؍روپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰؍روپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں وغیرہ، عربی) ۲۰؍روپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰؍روپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰؍روپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰؍روپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸؍روپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (انیس بزرگوں کے حالات) ۱۵۰؍روپئے

۱٦- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷؍ مضامین کا مجموعہ) ۳۰؍روپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰؍ بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰؍روپئے

۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰؍روپئے

۱۹- افکار دل (۳۰؍ تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰؍روپئے

۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ۲۰۰؍روپئے

۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۵۰؍روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

شخصیات

حضرت اویس قرنی-شخصیت اور تعارف

مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت اویس بن عامر قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار تابعین کے طبقہ اول میں ہوتا ہے، اور وہ ''خیر التابعین'' کہلاتے ہیں، یہ لقب انہیں بارگاہ رسالت سے غائبانہ عطا ہوا تھا، یمن میں آباد قبیلہ قرن سے آپ کا تعلق تھا، اس لیے قرنی انتساب کرتے ہیں، زمانہ نبوت پایا؛ لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے شرف صحابیت سے محروم رہے، حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی اعزاز اور شرف نہیں ہوسکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے حق میں بشارتیں منقول ہیں، جیسا کہ آگے اس کا ذکر آئے گا۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی مشہورترین کتاب "حلية الأولياء" کے طبقہ تابعین میں ان کا تذکرہ سرفہرست کیا ہے، آغاز میں فرماتے ہیں:"سيد العباد، وعلم الأصفياء من الزهاد ، أوس بن عامر القرني ، بشر النبي صلى الله عليه وسلم به وأوصى به أصحابه"۔(جلد۲رصفحہ۷۹)

عابدوں کے سرتاج اور زاہدوں سے منتخب وچیدہ گروہ کے سرکردہ حضرت اویس بن عامر قرنی جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی اور اپنے اصحاب کو وصیت فرمائی ہے۔

حضرت اویس ان برگزیدہ وارفتگان محبت میں تھے جن کی تخلیق ہی عشق ومحبت کے خمیر سے ہوئی تھی، وہ نادیدہ جمال نبوی کے پروانوں میں تھے، اگرچہ انہوں نے مدینہ منورہ سے بہت دور بود وباش اختیار کی تھی لیکن اس دوری اور مسافت کے باوجود آفتاب نبوت سے مستنیر اور بہار مدینہ کی نکہت باریوں سے مست وبے خود تھے، اگرچہ وہ یمن میں تھے، لیکن ان کی محبت کی لہریں حجاز تک رواں دواں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس نادیدہ وارفتہ محبت کی ایک ایک علامت بتادی تھی، جو صحیح مسلم کی روایتوں میں موجود ہے، اور یہ تاکید فرمائی تھی کہ جب ان سے ملاقات ہو تو اپنے لیے دعائے مغفرت کراؤ، وصیت نبوی کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برابر اویس کی تلاش رہی حتی کہ وہ اپنی جستجو میں کامیاب ہوگئے، قصہ طویل ہے، اختصار کے پیش نظر بقدر ضرورت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اہل کوفہ کا ایک وفد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس وفد میں یہ بزرگ حضرت اویس بھی تھے، حضرت عمر نے دریافت فرمایا کیا آپ میں سے کوئی قرن قبیلہ کا ہے؟ حضرت اویس سامنے آئے اور کہا میں ہوں، حضرت عمرؓ نے یہ حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن رجلاً يأتيكم من اليمن يقال له أويس لايدع باليمن غير أم له وقد كان به بياض فدعا الله تعالى فأذهبه عنه الا مثل موضع الدينار، أو الدرهم فمن لقيه منكم فمروه فليستغفر لكم" تمہارے پاس یمن سے اویس نامی ایک آدمی حاضر ہوگا جو وہاں اپنی ایک ماں چھوڑ کر آئے گا، اس کے جسم پر سفید داغ تھا، اس نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس سے اس کو دور کردیا، اب صرف دینار یا درہم کی جگہ بچی ہے، تم میں سے جس کی اس سے ملاقات ہو تو اس کو حکم دے کہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس آئے، میں

نے پوچھا آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟ جواب دیا یمن سے، میں نے کہا آپ کا اسم گرامی؟ فرمایا اویس، میں نے پوچھا کہ یمن میں کس کو چھوڑ کر آئے ہیں، جواب دیا اپنی ایک ماں کو، پوچھا کیا آپ کے اوپر سفید داغ تھا تو آپ نے اللہ سے ختم ہونے کی دعا کی اور اللہ نے اسے دور کر دیا؟ جواب دیا، جی ہاں!۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، میرے لیے دعائے مغفرت کیجئے، انہوں نے کہا، اے امیر المومنین بھلا مجھ جیسا شخص آپ جیسے کے لیے دعائے مغفرت کرے گا؟ کہاں میں اور کہاں آپ، بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر انہوں نے ان کے لیے استغفار کیا، یہ خبر عام ہوگئی اور جوان کا مذاق اڑاتے تھے وہ بھی استغفار کے لیے آنے لگے، اس طرح حضرت اویس کا پورے کوفہ میں شہرہ ہو گیا۔

حضرت اویسؒ کو علم ظاہر بھی حاصل ہوا تھا لیکن شہرت ناپسند تھی اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے سرے سے یہ دروازہ ہی بند رکھا جب کہ ان کا کہنا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اسی طرح پہنچی ہے جس طرح تم کو پہنچی ہے، وہ کوفہ میں ایک محدث کے درس میں شرکت فرماتے تھے، جس کی وجہ سے علم ظاہر سے مالا مال تھے، لیکن علم باطن کے کمالات کا منبع اور سرچشمہ تھے، تابعین میں خواجہ حسن بصریؒ کے بعد آپ ہی کی ذات تصوف کا مرجع ہے، اگرچہ انہوں نے اپنے آپ کو اہل دنیا سے چھپانے کی بھرپور کوشش کی، اس لیے خستہ حال زندگی اختیار کی، زیادہ تر وقت آبادی سے باہر جنگلات میں صحرا نوردی اور دشت پیمائی میں گزاری، دن بھر بکریاں چراتے اور رات دیر واپس آتے، لیکن پھر بھی وہ اہل نظر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکے بلکہ ان کی شمیم روحانیت اہل دل حضرات کو دور دور سے کھینچ کر بلاتی اور مقناطیس کی طرح اپنے میں جذب کر لیتی، لیجئے پیش خدمت ہے، ایک صاحب دل تابعی حضرت ھرم بن حیان اور حضرت اویسؒ کی ملاقات کے پُر تاثیر واقعات کی ایک جھلک:

ھرم اپنی کہانی خود اپنی زبانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میں اویس قرنی کی زیارت کی تمنا لئے ہوئے کوفہ گیا اور تلاش کرتے کرتے فرات کے کنارے پہنچا، وہاں دیکھا کہ ایک شخص تنہا بیٹھا نصف النہار کے وقت وضو کر رہا ہے، اور کپڑے دھو رہا ہے، میں اویس کے اوصاف سن چکا تھا، اس لیے فوراً پہچان گیا، وہ ایک فربہ اندام اور سخت گندم گوں آدمی تھے، بدن پر بال زیادہ تھے، سر منڈا ہوا تھا، داڑھی گھنی تھی، بدن پر ایک صوف کا ازار اور ایک صوف کی چادر تھی، چہرہ بہت بڑا اور مہیب تھا، قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا، اویس نے جواب دیا، اور میری طرف دیکھ کر کہا خدا تم کو زندہ رکھے، میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، انہوں نے مصافحہ کرنے سے انکار کیا (طویل گفتگو کے بعد......) میں نے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیے تاکہ میں آپ کی زبان سے سن کر اسے یاد کرلوں، فرمایا میں نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور نہ آپ کی صحبت سے بہرہ ور ہوا، البتہ آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے، اور تم لوگوں کی طرح مجھے بھی آپ کی حدیثیں پہنچی ہیں لیکن میں اپنے لیے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ محدث، قاضی یا مفتی بنوں۔ (تابعین صفحہ ۳۸/۳۷)

ان کی عبادت و ریاضت قابل رشک تھی، راہ سلوک میں بڑے بڑے مجاہدات کئے، ساری ساری رات پلک سے پلک نہ ملتی تھی، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ افطار کے لیے کچھ میسر نہ آتا تھا تو کھجور کی گٹھلیاں چن کر بیچتے اور اس کی قیمت سے قوت لایموت حاصل کرتے۔

زہد کا یہ عالم تھا کہ گھر بار، لباس اور کھانے پینے وغیرہ جملہ علائق دنیاوی سے ہمیشہ آزاد رہے اور ایک نہایت بوسیدہ اور شکستہ مکان میں رہتے تھے، کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ کبھی اونٹ چرا کر اور کبھی کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر غذا کا انتظام کرتے، حضرت عمرؓ نے سلوک کرنا چاہا مگر انکار کر دیا۔

حضرت اویس قرنیؒ کا سب سے نمایاں وصف اور امتیاز ماں کی

خدمت ہے، وہ اس خدمت کو سب سے بڑی سعادت اور عبادت سمجھتے تھے، چنانچہ جب تک والدہ زندہ رہیں ان کی تنہائی کے خیال سے حج نہیں کیا اور انہیں کی وجہ سے جمال نبوی کے دیدار سے بھی محروم رہے۔

مراد قبیلہ کا ایک آدمی حضرت اویس کے پاس سے گزرا، اس نے خیریت پوچھی، الحمدللہ کے ساتھ خیریت بتائی، اس نے پوچھا ”کیف الزمان علیك؟“ آپ کا وقت کیسا گزر رہا ہے:

”قال کیف الزمان علی رجل ان اصبح ظن أن لایمسی وان أمسی ظن الا یصبح، فمبشر بالجنة او مبشر بالنار“۔

فرمایا اس آدمی پر زمانہ کیسا ہوگا جو اگر صبح کرتا ہے تو شام کا بھروسہ نہیں اور اگر شام کرتا ہے تو صبح کا پتہ نہیں، اس کو جنت یا جہنم کی خوشخبری دیدی گئی ہے، اس کے بعد فرمایا:

”یاأخامراد إن الموت وذکره لم یدع لمؤمن فرحاً وإن علمه بحقوق الله لم یترك له فی ماله فضة ولاذهبا وإن قیامه بالحق لم یترك له صدیقاً“۔

اے مرادی بھائی! موت اور اس کی یاد نے کسی مومن کے لیے کوئی خوشی نہیں چھوڑی ہے، اور مومن کو اللہ کے حقوق کی جانکاری نے اس کے لیے اس کے مال میں کسی طرح کا سونا چاندی نہیں چھوڑا ہے اور مومن کے لیے حق کی انجام دہی نے کوئی دوست نہیں چھوڑا ہے۔

یہ بھی ایک عجیب حیرت انگیز لطیفہ ہے کہ اس خیر التابعین کے فضائل ومناقب اور اخلاقی وروحانی کمالات کے باوجود بعض ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں، جن سے ان کا وجود مشتبہ ہوجاتا ہے لیکن دوسرے علماء ومحدثین اور کتب احادیث وطبقات کے کثیر بیانات کے مقابلہ میں ان چند کمزور روایتوں کی کوئی حیثیت نہیں، صحیح مسلم میں ان کے مستقل فضائل ملتے ہیں، اسی طرح حدیث کی کتابوں مثلاً مسند احمد ابن حنبل، دلائل بیہقی، حلیۃ الاولیاء، ابونعیم، مسند ابویعلی، مسند ابوعوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ میں ان کے حالات یا کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا ذکر آیا ہے، اسی طرح طبقات ابن سعد، اصابہ، اسد الغابۃ، حلیۃ الاولیاء ابن عساکر، تہذیب، میزان الاعتدال، لسان المیزان وغیرہ میں ان کے حالات موجود ہیں، پھر جن علماء نے ان کے وجود کے انکار کی روایتیں نقل کی ہیں انہیں خود ان پر اعتماد نہیں ہے اور وہ اویس قرنیؒ کی شخصیت کو مانتے ہیں۔

الغرض اویس قرنیؒ کی شخصیت میں کوئی شک وشبہ ان بیانات کے بعد نہیں رہ جاتا، تذکروں میں ان کے حالات بہت ملتے ہیں، البتہ ان میں ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں ہیں۔

اویس قرنی کو راہ خدا میں شہادت کی بڑی تمنا تھی اور وہ اس کے لیے دعا بھی کیا کرتے تھے، خدا نے ان کی آرزو جنگ صفین میں پوری کردی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شہادت پائی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آذربائیجان کے غزوہ میں شریک تھے واپسی میں بیمار ہوئے اور راستہ میں ہی انتقال ہوا، ساتھیوں نے دیکھا کہ کھدی کھدائی قبر تیار، بہتا پانی، کفن اور حنوط موجود ہے، انہوں نے غسل دیا، کفنایا، نماز جنازہ پڑھی اور دفن کردیا۔

واضح رہے کہ ۱۵؍شعبان (شب برات) کے حلوے کا کوئی تعلق حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے نہیں ہے، تذکرۃ الاولیاء (فریدالدین عطار) میں یہ واقعہ تو مذکور ہے کہ جب حضرت اویس قرنی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی شہادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے دانت توڑ لئے، لیکن یہ غزوہ احد کا واقعہ ہے، جو نصف شوال سن ۳؍ہجری میں پیش آیا، ماہ شعبان سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، پھر اگر دور کی کوڑی لائی جاتی ہے اور ”مارو گھٹنا پھوٹے سر“ کی مثال دہرائی جاتی ہے تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ حلوے کی رسم زندہ کرنے والے اگر واقعی حضرت اویس قرنی سے کوئی دور کی بھی نسبت رکھتے ہوں تو وہ پہلے اپنے بتیس دانت توڑ لیں اور خوب حلوے بلکہ روزانہ صبح وشام حلوے ہی کے مزے لیں اور اسی پر گزارا کریں۔

محاسبہ

۲۶؍جنوری نے ہمیں کیا سبق دیا؟

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

۲۶؍جنوری کا دن تمام ہندوستانیوں کے لئے بہت ہی خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے، ہندوستان کا ہر فرد بشر چاہے وہ کسی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو، ہر ایک اس دن خوشی مناتا ہے، اسکول، کالج، دینی مدارس غرضیکہ ہر جگہ پرچم کشائی اور قومی ترانے گائے اور پڑھے جاتے ہیں، لیکن ایک سوال جو ہماری توجہ کا طالب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں جس میں ہم ۲۶؍جنوری کے دن خوشی مناتے ہیں اور اس ملک کو جمہوریت کا نام دیتے ہیں، کیا یہ صد فیصد درست ہے............؟؟ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ کسی بھی ملک کی جمہوریت کا صحیح تصور اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب کہ وہاں ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی مکمل آزادی کا حق حاصل ہو، چونکہ اگر یہ صورت حال نہ ہو اور مذہبی امور میں آزادی حاصل نہ ہو تو پھر اس ملک اور اس کے باشندوں کو جمہوریت پر ناز کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء میں آزاد ہندوستان کا آئین نافذ ہوا، جس میں سبھی طبقات کو بلا تفریق مذہب وملت یکساں حقوق اور مساوی ترقیات کے مواقع کی وکالت کی گئی، آئین اور دستور ہند کو بنے ہوئے ۶۳؍سال گزر گئے ہیں؛ لیکن کیا وجہ ہے کہ ملک کے بہت سے لوگ آج بھی آئینی حقوق کو ترس رہے ہیں، جب کہ ۲۶؍جنوری کا مبارک دن ہمیں یہی پیغام دیتا ہے کہ اب سب کو برابری کا حاصل ہوگا، چاہے وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، ابھی کچھ دنوں پہلے گجرات کا مسلسل دورہ کرنے والی اور تنظیم ''انہد'' کی روح رواں محترمہ شبنم ہاشمی گودھرا کے ساتھ پول علاقہ میں محمدی کالونی میں ایک تربیتی پروگرام سے خطاب کرنے جارہی تھی تو انہیں وہاں کی پولیس نے گرفتار کرلیا تھا، محترمہ ہاشمی خود اپنی زبانی کہتی ہیں ''کہ میں اپنے کارکنان کے ساتھ گودھرا میں اپنی تنظیم کے زیر اہتمام منعقدہ پروگرام میں شرکت کے لیے جارہی تھیں تو گجرات پولیس نے مجھے گودھرا میں داخل ہونے نہیں دیا، مجھے اور میرے ساتھیوں کو تقریباً ۸؍کلومیٹر پہلے ہی روک دیا گیا''۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلم خاتون ہندوستان کی باشندہ ہوتے ہوئے بھی اگر کسی انجمن یا کسی پروگرام میں شرکت کے لیے جارہی ہو تو اس پر روک لگائی جائے، آخر ایسا کیوں ہے؟ جب ہندوستان کے نظام کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر شخص کو مذہبی، تہذیبی، لسانی اور تعلیمی آزادی حاصل ہے، کیونکہ قانونی طور پر یہاں کے باشندوں کو مذہبی آزادی دی گئی ہے اور ان کو نہ صرف اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کا حق حاصل ہے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت کا بھی اسے قانونی اختیار دیا گیا ہے، چنانچہ دستور ہند کی دفعہ ۲۵؍میں اس کی وضاحت اس طرح موجود ہے کہ ''تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کی پیروی کا حق حاصل ہے، یہی نہیں بلکہ ملک میں ہر فرد کو اپنے مذہبی امور کی بقاء وتحفظ اور ان کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مذہبی ادارے قائم کرنے، تربیتی پروگراموں میں حاضر ہونے اور خطاب کرنے کا آزادی کے ساتھ حق حاصل ہے، تاکہ ان کے لیے مقصد کا حصول آسان ہو اور وہ کھل کر اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے کام کرسکیں، اس کی صراحت

دفعہ ۲۶ ر کے تحت کی گئی ہے، اس حق کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ حکومت کو نہ تو کسی کے مذہبی پروگرام پر روک لگانے کا حق ہے اور نہ ہی اسے یہ اختیار ہے کہ وہ کسی تنظیم کے خلاف کوئی ایسا قدم اٹھائے جو اس کی ترقی کی راہ میں دیوار بن سکے، بہر حال محترمہ ہاشمی کو ایک مسلم خاتون ہونے کی وجہ سے روک دیا گیا تھا۔

دوسری طرف دیکھئے کہ انا ہزارے کی ٹیم کے ممبروں پر جس نے جوتا پھینکا تھا اتفاق سے وہ کشن لال نامی شخص تھا، جس نے ۲۰ ر میٹر کی دوری سے جوتا پھینکا تو فوراً پولیس نے اس سے گرفتار کرلیا اور جائے واردات سے دور لے گئی، بعد میں یہ پتہ چلا کہ کشن لال نشے میں دھت تھا، اس لیے مزید کوئی کارروائی نہیں ہوئی، ایسے ہی جب پٹنے کی سڑک پر ایک بس ڈرائیور نے بس کو دوڑاتے ہوئے کتنوں کی جانیں لی اور ان کے خون کی ہولی کھیلی، اتفاق سے یہ بھی سنتوش مانے نام کا شخص تھا، یہ بات خاص ۲۶ ر جنوری ہی کی ہے کہ جس دن سارا ملک جمہوریت کے جشن میں ڈوبا ہوا تھا، اس دن کتنوں کی جانیں جمہوریت کی نذر ہوگئیں، بالآخر اس کو بھی مرکزی حکومت نے دماغی توازن کھوجانے یا نشے میں دھت کا فیصلہ کرلیا اور کوئی خاص کارروائی نہیں ہوئی، اس کے برخلاف اگر اس جگہ پر کوئی مسلمان ہوتا یا صرف ایک ایشور کا ماننے والا ہوتا، تو اس کو اولاً وہیں پر ختم کردیا جاتا، یا اس کو اتنا ماردیا جاتا کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوکر اس دنیا سے اپنا رشتہ توڑنے کے لئے مجبور ہوجاتا۔

آپ نے کامران صدیقی کے واقعہ کو سنا ہوگا، واقعہ دراصل یہ ہے کہ بابارام کے اوپر کامران صدیقی نے صرف سیاہی پھینک دی تھی، اب بابا کے چہرے پر سیاہی کی دوتین بوندیں بھی پڑگئیں ہونگی، اس سے کسی کو انکار نہیں، مگر اس کی سزا انہیں کیا بھگتنی پڑی، یہ انہی کو معلوم ہے، اس کے علاوہ کئی دن وہ جیل کی سلاخوں میں بھی رہے، کیا حکومت بابارام دیو کے لوگوں سے یہ کہہ کر نہیں چھڑا سکتی تھی کہ ہوسکتا ہو کہ کامران بھی اپنا دماغی توازن کھوجانے یا نشے میں دھت ہونے کی حالت میں یہ حرکت کی ہو، اس کو بھی کشن لال اور سنتوش مانے کی طرح بخش دیا جاتا، مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، بلکہ کامران کو ایک مسلمان ہونے کی وجہ سے بابارام دیو کے لوگوں نے خود مارا اور پولیس کے حوالے بھی کیا، جس کی واضح مثال اگلے دن اخبار میں کامران کا خون سے لت پت چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

اب میں اس جمہوری حکومت سے پوچھنا چاہوں گا، کہ انصاف کہاں پر ہے، ۲۶ ر جنوری کے دن جو قوانین نافذ ہوئے تھے وہ کہاں ہیں، کیا وہ قوانین ابھی نافذ نہیں ہوئے، یہ سب باتیں عقل وادراک سے ماوراء ہیں کہ قانون نافذ ہوتے ہوئے بھی عمل درآمد نہیں ہورہا ہے، یا عمل ہورہا ہے لیکن حکومت نظر انداز کرتی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا حق ہے ہی نہیں؛ کیونکہ اس ملک میں اگر ہم آہ کرتے ہیں تو بدنام ہوجاتے ہیں اور وہ قتل کرتے ہیں تو چرچا تک نہیں ہوتا، جبکہ ۲۶ ر جنوری سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ اب ہندوستان میں قانون نافذ ہوگیا ہے، یہاں پر سب کے حقوق یکساں ہوں گے، اور سب کو برابری کا حق حاصل ہوگا، چاہے وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

ان سب باتوں سے حکومت ہوش کا ناخن لے اور تعصب کی عینک اتار کر دیکھے کہ اس ملک میں کیا ہورہا ہے، میں تو صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ اس ملک میں سب کو برابری کا حق دیا جائے، ہمارے ساتھ حق اور انصاف کا معاملہ کیا جائے، کیونکہ جہاں بھی دیکھو مسلمان ہی پھانسی کے پھندے پر لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں، اب اس ملک کو سنبھالنے کیلئے سیاست کے ساتھ انسانیت سیکھنے کی ضرورت ہے، ہندوستان کے جتنے بھی لیڈر اور سیاسی رہنما ہیں اگر انسانیت سیکھ لیں، گاندھی اور آزاد کے پیغام کو دل سے لگالیں، تو یقیناً ہمارا ہندوستان پھر ایک بار سونے کی چڑیا کہلانے لگے گا، اور ۲۶ ر جنوری کے دن خوش ہونا پورے طور پر صادق آنے لگے گا۔

❁❁❁❁

تجزیہ

ذرائع ابلاغ اور تخریب پسند عناصر

مولانا حسرت علی قاسمی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی زبان میں ابلاغ و تبلیغ کے معنی پہنچانے اور ارسال کرنے کے ہیں، انگریزی زبان میں اس کا مترادف لفظ Communication ہے، جو کہ میل جول، آمد و رفت اور خط و کتابت کے لیے استعمال ہوتا ہے، جارج اے ہلر اپنی کتاب Language and Communication میں رقم طراز ہے: ''ابلاغ کا مطلب ایک اطلاع یا پیغام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور پہنچانا ہے'' What is communication میں مائن سکر کے مطابق نظریات و خیالات اور اطلاعات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا یا ایک فرد سے دوسرے فرد کو منتقل کرنے کا عمل ابلاغ ہے، رول ایل یارے کے خیال میں کسی دوسری چیز کے بارے میں اپنا عمل، ردعمل یا احساسات و جذبات دوسرے تک پہنچانا تاکہ وہ اس سے متأثر ہو کر متحرک ہو جائے، ابلاغ کہلاتا ہے۔

ایلین ایم ایسبرگ نے اپنی کتاب Living Communication میں ابلاغ کی تعریف اس طرح کی ہے: ''ابلاغ زبان کا محتاج نہیں، بلکہ دو اشیاء کا ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھ لینا ابلاغ ہے، اس عمل میں جاندار، پودے اور بے جان اشیاء بھی شامل ہیں''۔

ذرائع ابلاغ عہد قدیم میں:

جب سے انسان نے بولنا سیکھا ہے، اس وقت سے لیکر پانچ ہزار سال تک کوئی ایسا نظام ایجاد نہیں ہوا تھا، جو کہی ہوئی بات کو قلم بند کر کے پڑھنے کے لئے محفوظ کر سکے، انسانی ثقافت ہمہ وقت فروغ پذیری کے ساتھ ترقی پذیر رہی؛ لیکن ایسے ذرائع وضع کرنے میں ناکام رہی جو وقت اور فاصلے کی تسخیر کر سکتے، لوگ خیالات و جذبات کو محفوظ کرنے اور زمانے کے نقوش منتقل کرنے میں ذاتی حافظے اور یادداشت تک محدود تھے، ایسے معاشرے میں ماہر قصہ گوئی کسی انسانی گروہ کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لئے نئی نسلوں کی تربیت دیومالائی قصے کہانیوں کے ذریعہ کر سکتا تھا اور قافلوں کے ذریعے بھی ترسیل کا عمل ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک جاری تھا۔

پھر ایک طویل عرصہ کے بعد تحریر کی ایجاد نے انقلاب پیدا کر دیا، زبان و تقریر کے بعد یہ دوسرا ابلاغی انقلاب تھا، اب کیا تھا، قدیم معاشروں نے اپنے خیالات و جذبات اور افکار و تجربات کو تحریری صورت میں جمع کرنا شروع کر دیا اور اس کے لیے انہوں نے چرمی پٹیوں (Scrolls) تختوں اور پتھروں کا استعمال کیا؛ لیکن یہ بڑا پریشان کن ذریعہ تھا، سنگی دستاویزات (Stone Documents) کو ادھر ادھر منتقل کرنا مشکل امر تھا، تاہم چند صدیوں کے بعد نقل پذیر ذرائع ابلاغ زیر استعمال آ گئے، اطلاعات و معلومات کو دور دراز فاصلوں تک بھیجنا ممکن ہو گیا، انتظام و انصرام میں آسانیاں پیدا ہوئیں اور عظیم ترین سلطنتیں قائم ہو گئیں، تحریر کے ان اثرات نے ثقافتوں کو مالا مال کیا، اور سماجی تبدیلی کی رفتار بڑھا دی اور پھر کتابوں کے آغاز و اجراء نے اس امکان میں مزید اضافہ کر دیا؛ لیکن جہاں ایک طرف کتابیں زیادہ کارآمد تھیں، وہیں دوسری طرف اعداد و ترتیب میں کلفت و مشقت کچھ کم نہ تھی، چنانچہ پرندے کے پر سے بنائے ہوئے قلم اور روشنائی کی مدد سے کوئی ماہر کاتب ایک کتاب کا نسخہ تیار کرنے میں ایک سال کا عرصہ لگاتا تھا، انجام کار کتابوں کی فراہمی بہت محدود تھی، معدودے

چند اشخاص کتابیں خرید پاتے، اس طرح آبادی کا بڑا حصہ ناخواندگی اور جہالت کا شکار ہوجاتا تھا، اس کے بعد چھپائی مشین Printing Press کی ایجاد و دریافت نے ابلاغ کے عمل میں نیا انقلاب برپا کردیا، اس دریافت کے بعد لاکھوں کی تعداد میں کتابوں کے نسخے آنے شروع ہوئے، جس سے تہذیب وثقافت کو جلا اور فروغ حاصل ہوا۔

دور حاضر کے ذرائع ابلاغ:

چونکہ آج انسان نے اپنے جذبات و خیالات اور احساسات و تفکرات کو منتقل کرنے کے ایسے نت نئے ذرائع ایجاد کر لئے ہیں کہ قدیم زمانے میں جن کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ آج اس کے متعدد اقسام موجود ہیں، بعض وہ ہیں جن کا تعلق پرنٹ میڈیا سے ہے، جن میں اخبارات ورسائل وغیرہ آتے ہیں، اور بعض الکٹرانک میڈیا میں شمار کئے جاتے ہیں، اور اس میں بھی بعض سماعی، بعض بصری اور بعض دونوں کا مجموعہ ہیں، ان تمام کے ذیل میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم، ریڈیو نیوز ریل، آڈیو کیسٹ، کمپیوٹر، ٹیلی پرنٹر، ٹیلی فیکس، ٹیلی کانفرنسنگ، فیکس، انٹرنیٹ، کیبل ٹیلی ویژن، موبائل وغیرہ آتے ہیں، اس کے علاوہ مواصلاتی سیارے ہیں جنہوں نے دنیا کو مکمل طور سے سمیٹ کر رکھ دیا ہے، ایسی صورت میں دور حاضر کو اگر دور ابلاغ قرار دیا جائے تو بالکل بجا اور برمحل ہوگا۔

قرآن میں ذکر ابلاغ اور اس کا مقصود:

قرآن مجید کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ابلاغ کا سلسلہ کائنات میں حیات انسانی کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما کر انہیں مختلف اشیاء کے نام سکھائے، اسی طرح جب قابیل نے ہابیل کے خون میں ہاتھ رنگے لیکن عمل دفن سے جہالت کے سبب کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا، پھر کوے کے عمل سے سبق حاصل کیا، اور حضرت نوح علیہ السلام کو جب طوفان کے پانی کا حال معلوم کرنا ہوا تو کبوتری بھیجی، جب وہ اپنی چونچ میں ہری شاخ لیکر واپس ہوئی تو انہیں پانی کے اتر جانے کا علم ہوا، نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ہدہد ذریعۂ ابلاغ تھا، جس نے ایک نئی حکمراں عورت کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور پیش کی، پھر آپ نے اس کے ذریعہ خط ارسال فرمایا، اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات ہیں جن سے عمل ابلاغ رونما ہوتا ہے، نیز قرآن کریم میں تقریباً ۲۴ مقام پر ابلاغ عامہ کا تصور پیش کیا گیا، جن کے مطالعہ سے صاف طور سے وضاحت ہوجاتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں ابلاغ وتبلیغ سے مقصود نیکی وطہارت اور پاکیزگی وتقدس، احترام وعزت، خیر وفلاح اور خصائل حمیدہ سے مزین و آراستہ ہونے پر برانگیختہ کرنا اور ابھارنا ہے، نہ کہ فحاشی اور بے حیائی، عریانیت وبرہنگی، جھوٹ وغیبت، دھوکا اور فریب کو رواج دینا ہے، چنانچہ ذیل میں اختصار کے پیش نظر ان آیتوں کے حوالہ جات پیش ہیں:

نمبر شمار	نام سورہ	آیت نمبر
۱	سورة الأعراف	۶۲
۲	سورة الأعراف	۶۸
۳	سورة الأعراف	۷۹
۴	سورة الأعراف	۹۳
۵	سورة الأحقاف	۲۳
۶	سورة الأحقاف	۳۵
۷	سورة الجن	۲۳
۸	سورة الجن	۲۸
۹	سورة المائده	۹۲
۱۰	سورة المائده	۹۹
۱۱	سورة النحل	۳۵
۱۲	سورة النحل	۸۲
۱۳	سورة الهود	۵۷
۱۴	سورة العنكبوت	۱۸
۱۵	سورة آل عمران	۲۰
۱۶	سورة النساء	۶۳
۱۷	سورة النور	۵۴
۱۸	سورة النجم	۳۰
۱۹	سورة إبراهيم	۵۲
۲۰	سورة الشورى	۴۸
۲۱	سورة يسين	۱۶-۱۷
۲۳	سورة التغابن	۱۲
۲۴	سورة الرعد	۴۵

مسئلے کا حل:

میڈیا کو تخریب پسند عناصر سے پاک رکھنے کے لیے اُن کے منصوبے اور اغراض وعزائم سے واقفیت اہمیت کی حامل ہے، چنانچہ یہودیوں کے منصوبے کا تاریخی پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر''بال'' میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے ہرٹزل کی قیادت میں جمع ہوکر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا، یہ منصوبہ ۱۹ پروٹوکول کی صورت میں پوری دنیا کے سامنے آچکا ہے، اس کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہتے ہیں، اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تیس یہودی انجمنوں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا، انہوں نے جہاں تمام دنیا پر حکومت کے لئے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی قرارداد پیش کی تھی، وہیں بارہویں دستاویز میں میڈیا کی غیر معمولی اہمیت، اس کی تاثیر وافادیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ''اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقصد کے حصول کے لئے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے، ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہوکر اس کی باگ کو اپنے قبضے میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور ذریعہ ابلاغ نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں، اس طرح کوئی چیز سماج تک ہماری تصدیق کے بغیر نہیں پہنچ سکے گی اور ہم اسے سچ جھوٹ سے مزین کرکے قوموں اور حکومتوں کے سامنے اس طرح پیش کریں گے کہ وہ قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔''

یہودی منصوبے کے اس مختصر تذکرے کے بعد جب ہم عیسائیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ صلیبی جنگ کے دوران جب انہیں یقین ہوچلا کہ ہم میدان جنگ میں عالم اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتے تب انہوں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی، اور اپنے مقاصد کے حصول کے تئیں اذہان وافکار اور قلب وضمیر پر اپنا تسلط واقتدار قائم کرنا شروع کردیا، فوجی یلغار میں ہتھیار اور افراد استعمال کئے جاتے ہیں؛ لیکن فکری یلغار میں تعلیم وتربیت، ذہن سازی اور پروپیگنڈے کا سہارا لیا جاتا ہے، فکری یلغار عسکری یلغار کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک ہے، اس یلغار میں سامراج کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، یلغار زدہ قوم خود بخود اسی راستے پر چل پڑتی ہے جس پر سامراج اسے لیجانا چاہتا ہے، اس طرح بآسانی وہ اپنا مقصد حاصل کرلیتا ہے؛ لیکن ہاں یاد رکھئے کہ یہ خودساز باتیں نہیں، بلکہ صلیبی جنگ میں شکست کے بعد مغرب نے اسلامی دنیا کے خلاف جنگ کی جو منصوبہ بندی کی تھی، اور جو مقاصد پیش نظر رکھے تھے، اس کی صراحت خود امریکن کیتھولک چرچ کی ایک انجمن کے صدر مارشل بولڈاون نے اپنی تقریر میں انجمن کے دوسرے سالانہ اجلاس ۱۹۴۱ء میں کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ''مغرب اسلام کو صرف موجودہ تمدن کے لئے ہی خطرناک تصور نہیں کرتا ہے، بلکہ عالم مسیحیت اور مختلف عیسائی فرقوں کی کم از کم ہزار سال سے اس کے ساتھ نبرد آزمائی چلی آرہی ہے، اور یہ جنگ برابر جاری رہے گی'' تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ جنگ پہلے علم وادب کے راستے سے لڑی جارہی تھی، اور اب ایک صدی سے اس جنگ کو فلموں کے ذریعہ گھر گھر پہنچادیا گیا ہے۔

اس طرح سے مغرب نے اس یلغار میں مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے:

(۱) عیسائیت کی تبلیغ۔

(۲) استشراق کی تحریک۔

(۳) مخالف تحریکات کا قیام اور تعاون۔

(۴) لہو ولعب کے وسائل کو عام کرنا اور ذرائع ابلاغ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا۔

(۱) عیسائیت کی تبلیغ:

تربیت یافتہ عیسائی مبلغوں اور پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ

شروع کی، مختلف اسالیب میں لوگوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی ترغیب دی، لیکن جب انہیں مکمل کامیابی حاصل نہ ہوسکی تو انہوں نے مذہبی لٹریچر اور مذہبی شخصیات کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی بنیاد ڈالی، تاکہ انسان کا اپنے مذہب پر اعتماد متزلزل ہوجائے، اور وہ مغربی تہذیب وثقافت کو اپنی تہذیب پر ترجیح دے۔

(۲)استشراق کی تحریک:

استشراق کسی غیر مشرقی کا مشرق کی تہذیب، زبان و ادب، مذاہب، روحانیات اوران تمام چیزوں کے تہذیبی ارتقاء پر اثرات کے مطالعہ میں اشتغال سے عبارت ہے، محققین کا خیال ہے کہ اس تحریک کے پیچھے مسلمانوں کے تئیں وہ دشمنانہ عزائم ہیں جو مغرب کی ایک جماعت کے سینوں میں صلیبی جنگ سے پرورش پارہے ہیں۔

مشرق ومغرب کے اختلاط کا آغاز ساتویں صدی عیسوی میں ہوا، اور استشراق کی تحریک ابتداءً یورپ کے پادریوں اور مبلغوں کے ساتھ مشرق میں آئی، اس طور پر کہ کچھ پادری مغرب سے اندلس گئے اور وہاں انہوں نے علماء اسلام سے اسلامی علوم سیکھے؛ لیکن منظم طور پر اس تحریک کا آغاز اس دور کے بعد ہوا جس کو یورپ کی تاریخ میں عہد صلاح الدین کہا جاتا ہے، چنانچہ عام طور پر مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حقائق مسخ کرکے پیش کئے، اسلامی لٹریچر کو بے اعتماد بنانے کی کوشش کی، اسلامی شخصیات بالخصوص رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر بے پناہ افتراء پردازی اور ہرزہ سرائی کی، الغرض اس تحریک نے اسلامی لٹریچر کے حوالے سے امت مسلمہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

(۳)مخالف تحریکات:

یہ تحریکات اپنے اہداف ومقاصد کے لئے رشوت، مال، عورت کا لالچ، دہشت گردی اور تشدد کا استعمال کرتی ہیں، غرض کہ یہ قوم وملت کے لئے بہت ہی خطرناک ہیں، قوم وملت کے بااثر کام کرنے والے افراد کو خرید کران سے اپنے مطابق کام لیتی ہیں۔

(٤)وسائل لهو و لعب کی ترویج:

سمعی وبصری ذرائع ابلاغ میں فحاشی اورشرمناک کردار کا سیلاب، اجنبی مرد وعورت کا آخری حد تک اختلاط، نیز تقریبات میں بےحیائی و بےشرمی میں مقابلے اور ناجائز کاموں کا ترقی کے نام پر ارتکاب، یہ سب فکری یلغار و یورش کے مظاہر ہیں، جو درحقیقت ایک دوررس پلاننگ و پروپیگنڈے کا پیش خیمہ ہیں، اس طور پر کہ اسلام میں حیا کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے، اور حیا ہی انسانوں اور جانوروں کے درمیان حد فاصل اور ذریعۂ امتیاز ہے، جب انسان بےحیا ہوجاتا ہے تو اسے جرائم سے روکنے اور منع کرنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی، اور معصیت کا ارتکاب اسے شیریں معلوم ہونے لگتا ہے، اس طرح تخریب پسند عناصر کی ایک برائی کی تعلیم سینکڑوں اور ہزاروں کے مقابل ہوجاتی ہے، اور اگر ہم خارجی ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ایسا ملے گا جو انگلش میڈیم اسکولوں میں زیر تعلیم ہے، انہیں کلمہ تک کا پتہ نہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ان کے اساتذہ دشمن عناصر یا مغرب سے متأثر، اور جو لٹریچر ان کے نصاب میں داخل ہے، وہ بھی دشمن عناصر کا تیار کردہ، ماحول اور فضا بھی مسموم اور زہریلی، گویا ان پر لادینیت کا جادو چلایا جارہا ہے، دہریت کی شراب پلائی جارہی ہے، تاکہ انہیں پوری طرح مست ومسحور کرکے اسلامی اقدار اور روایات کو ان کی نظر میں مبغوض بنادیا جائے، تاکہ ان کے رگ و ریشہ میں اسلامیت کی رمق تک باقی نہ رہ جائے۔

ان تمام طرق سے ہمارے اخلاق کو بگاڑا جارہا ہے، معاشرے کو مغرب پسند اور کرپٹ بنایا جارہا ہے، ہم کو ہماری روایات وتعلیمات سے دور کیا جارہا ہے، جس کا نتیجہ سماجی فساد، آپسی اختلافات وخانہ جنگی اور سیاسی ناکامی کی صورت میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہود ونصاری اپنی باہمی چپقلش اور آپسی معاندانہ روش کے باوجود جب بات اسلام اور مسلمانوں کی آتی ہے تو دونوں ایک دوسرے کے حلیف ورفیق اور معین ومددگار بن جاتے ہیں، مذہب اسلام اوراس

کے متبعین کو ضرر پہنچانے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے، اور ان کے وجود کو نیست و نابود کر دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے، بلکہ ایسے موقع پر مانند دو پنتھ ایک کاج کے ہو جاتے ہیں، اور اپنے مقصد میں مصروف عمل نظر آتے ہیں، لہٰذا ان نازک حالات میں ذاتی مجلسوں میں تبصرہ بازیوں اور اظہار افسوس اور خلوت میں اسلام پر کئے جانے والے اشکالات و اعتراضات کا سوگ منانا، نیز ہمارے بلند بانگ نعرے کہ ذرائع ابلاغ اور صحافت پر گندگی کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے، جرائد و رسائل میں حواء کی بیٹیوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں ہوتی ہیں، آج کی صحافت بے حیائی کو فروغ دے رہی ہے، جو ناجائز اور حرام ہے، محض نفرت اور کنارہ کشی اس کا علاج قطعاً نہیں، بلکہ ذرائع ابلاغ کو تخریب پسند عناصر سے پاک رکھنے کے لیے اولاً ان مکاریوں، دسیسہ کاریوں، فتنہ پردازیوں سے تمام امت مسلمہ اور خاص طور پر نوجوان نسل کو آگاہ کرنا ہوگا۔

ثانیاً اپنے گھروں کا ماحول اسلامی رنگ سے ہم آہنگ کرنا ہوگا تاکہ بچوں کی ابتدائی پرورش و پرداخت ایسی اسلامی ماؤں کی گود میں ہو جن کا دودھ ایسے لہو اور روح میں تبدیل ہو جائے جو انہیں امام غزالی اور حضرت عبد القادر جیلانی رحمہما اللہ جیسے اصحاب دعوت و عزیمت بن جانے پر برانگیختہ کرے، جو باطل سے مرعوب ہونا تو کیا، باطل پرست طاقتوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر مقابلہ کریں، اور ان متأثر اشخاص اور خود ان کی ہدایت وارشاد کا ذریعہ بنیں۔

ثالثاً ایسے کالجز اور اسکول قائم کئے جائیں جن کا نصاب تعلیم اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ اور منسجم ہو، اور ساتھ ساتھ مدارس میں بھی ایسے علوم پڑھائے جائیں جن کا تعلق عصر حاضر سے ہے، اور ان کے مطالعہ پر آمادہ کیا جائے، مثال کے طور پر سائنس، دفعات وقوانین وغیرہ۔

رابعاً ہم ان کا متبادل پیش کریں اور بجائے اس کے کہ تاریکی کو گالی دیں، قندیل اور چراغ روشن کر دیں، اور ماضی کو یاد کر کے سبق حاصل کریں کہ ایک زمانہ تھا جب ہر چیز پر اسلامی چھاپ تھی، ہر فن میں اسلام سرایت کر چکا تھا، سیاست، معیشت، طب و تاریخ، سیاست و سیادت، ادب و فلسفہ، کیمیاء و منطق کے قلب و جگر میں اسلام نے اپنا نشیمن بنالیا تھا، ہر علم و فن پر مسلم اسکالروں اور محققوں کی بالادستی قائم تھی، پوری دنیا اسی کی روشنی میں سوچتی تھی، اور اسی کی زبان میں لکھتی پڑھتی، بولتی اور تصنیف و تالیف کرتی تھی۔

ہمارا ماضی اگر روشن ہے، منور و تابناک ہے تو اس وجہ سے کہ علماء نے زمانے کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ زمانے سے مقابلہ کیا، اور اسلام کا دفاع عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اسلامی اسلوب میں کیا، اسلام دشمن عناصر جس ہتھیار سے مسلح ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوئے، علماء نے اس کا دفاع اسی انداز سے کیا، جب فلسفہ سے اسلام پر یلغار ہوئی تو علماء متکلمین یہ کہہ کر خاموش نہیں بیٹھ گئے کہ فلسفہ باطل ہے، یہ لا دینیت اور دہریت پر مشتمل ہے، بلکہ فلسفہ کا جواب فلسفہ سے دیا، اور صرف جواب پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ فلسفہ و منطق کو اسلامی رنگ و آہنگ سے آشنا کر کے اسے مسلمان بھی بنادیا، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں، اپنے فنی و مادی وسائل کو بروئے کار لا کر ذرائع پر اپنا تسلط جمائیں، پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کی غیر معمولی طاقت کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی مکمل سعی و جدوجہد کے لئے تیار ہو جائیں، اور ہر ہر فرد اس شعر کو اپنا شعار بنالے کہ: ع

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے

خامساً نئی نسلوں کے سامنے اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر نظریۂ ابلاغ اور اس کی خصوصیات پیش کریں، اور ان کو آگاہ کریں کہ انسان کے بنائے ہوئے مختلف نظریہ ہائے ابلاغ خواہ مقتدرانہ نظریۂ ابلاغ ہو یا آزادی پسندانہ کمیونسٹ نظریۂ ابلاغ ہو، یا سماجی ذمہ داری کا نظریہ، اسلامی نظریہ سے ان کا موازنہ بالکل نہیں کیا جا سکتا، انسانوں کے تخلیق کردہ نظریات ذاتی منفعت پر مبنی، عارضی اور تغیر پذیر ہوتے ہیں، اور

اسلام کے پیش کردہ نظریہ کی حیثیت مستقل اور دائمی ہے، اس کی بنیاد سچائی اور راست بازی پر ہے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز ہی صدق وامانت اور راست گوئی سے ہوا ہے، اسی کو دلیل بنا کر آپ علیہ السلام نے قبائل کو خطاب کیا، اور اس کا مقصد بھی خیر کو پھیلانا، شر کو مٹانا اور حق کی شہادت و گواہی دینا اور صحیح تعمیری خبروں، معلومات اور اطلاعات کی اشاعت ہے۔

جہاں تک حریت فکر اور اظہار رائے کا تعلق ہے تو اسلام انسانیت کو اس کا بھی حق عطا کرتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کو نیکی اور سچائی کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا جائے، نہ کہ برائی اور بے حیائی کے طور پر، ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے کو بدنام کرنے، آپسی تحقیر، خلوت کی جاسوسی، جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دینے سے سختی سے منع کرتا ہے، غرض کہ اسلام کے تمام تر اقدامات مثبت اور تعمیری ہیں، جب کہ دوسری طرف عالمی ذرائع ابلاغ نے جن امور کے فروغ اور نشر واشاعت کو اپنا نصب العین بنایا ہے، وہ منفی اور تخریبی ہیں، وہ معاشرہ کے شیرازہ کو بکھیرنے اور اس کو انتشار وانارکی کی راہ پر ڈالنے میں سرگرم رول ادا کرتے ہیں، انسان ایک لمحہ میں ایمان کا سودا کر بیٹھتا ہے، ناحق خونریزی، کردارکشی، حقائق کو مسخ کرنے حتی کہ عقائد تک سے دستبردار ہوجانے کے لئے بآسانی تیار ہوجاتا ہے، چنانچہ خود مشہور امریکی جریدہ US News کے چیف ایڈمنسٹریٹر مارٹیمر بی (Martimer-B) نے ۱۸/ اگست ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں امریکی معاشرہ کے بکھرتے ہوئے شیرازے اور پوری ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر چھائی ہوئی افراتفری کی عکاسی کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''امریکی سماج کا اخلاقی اور روحانی پیمانہ بہت نیچے گر چکا ہے، افراتفری ملک کی فضا پر چھائی ہوئی ہے، منشیات کی عادت نے عائلی زندگی کو پارہ پارہ کردیا ہے، پبلک مقامات نشہ خوروں اور ٹھگوں کے اڈے بن گئے ہیں، صنف نازک کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں، بچے والدین سے بیزار ہیں، مائیں ازدواجی زندگی سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، ذاتی محرکات، جنسی خصوصیات کا ابھار بڑے پیمانہ پر ہورہا ہے، ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی وی، فحش گانے ان کے جذبات کو برانگیختہ کررہے ہیں، تشدد، حرام کاری، شراب نوشی، معاشرہ کا مزاج بن چکا ہے، اخلاق حسنہ، دین وایمان اور عائلی زندگی کا احترام ختم ہوچکا ہے، سرمایہ داری اور تاجرانہ ذہنیت نے پڑوسیوں سے میل جول اور اتحاد عمل کو عنقا بنادیا ہے۔''

یہ تو بطور مثال ایک اقتباس پیش کیا گیا، ورنہ مغربی میڈیا کے جو غلط اور منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں، اس کا اعتراف بہت سے مغربی دانشوروں نے کیا ہے، اور بہت ہیں جنہوں نے اسلام ہی کو اپنا مداوا سمجھا، اور اسی کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی، اور اس کے گن گانے پر مجبور ہوئے، حسین عبداللہ باسلامہ کی کتاب ''الإسلام في نظر أعلام الغرب '' اس کا بہترین شاہد ہے، اور بہت ہیں جو ایسے نظریہ ہائے حیات کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہیں، جو مثبت اور تعمیری ہوں، ظاہر ہے کہ وہ اسلامی دستور حیات ہی ہے۔

ایسے ماحول میں ہمارا دینی فریضہ بنتا ہے کہ ہم پوری دنیا کے سامنے اسلامی نظریۂ ابلاغ پیش کرکے ان کو مطمئن کریں، انشاء اللہ ہمارا یہ عمل میڈیا کو تخریب پسند عناصر سے پاک کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

اطلاع عام

تمام قارئین کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کا مارچ کا شمارہ ''دولت مند کیسے بنیں؟'' کے موضوع پر ان شاء اللہ خصوصی نمبر ہوگا۔ (ادارہ)

حقائق

دل کیا چیز ہے؟

ڈاکٹرم،ق،سلیم ایڈیٹرشعاع اردو،حیدرآباد

دل کیا ہے! ایک صنوبری شکل کے اندرونی عضو کا نام جسے قلب، ہردامن، نواد خاطر، ضمیر، کلیجہ، بلکہ سخاوت، ہمت، شجاعت، فیاضی، دلیری، جراءت، رغبت، خواہش وغیرہ کو بھی کہتے ہیں، یہ میں نہیں بلکہ فرہنگ آصفیہ اور دوسری لغات کے مؤلفین کہہ رہے ہیں۔

دل چیز کیا ہے ...... آپ میری جان لیجئے، یہ مصرعہ کسی شاعر کا کیوں نہ ہو، مگر فلم ''امراؤ جان'' میں ریکھا نے اس خوبصورتی سے گایا ہے کہ اس شعر کو سن کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، دل چیز کیا ہے؟ آج تک ہمارے سمجھ میں نہ آسکا، کیونکہ ہم زندہ دل ہیں، اس لیے شیخ ابراہیم ذوق نے کہا: ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

جس دور میں ذوق نے یہ شعر کہا تھا وہ زمانہ زندہ دلی کا زمانہ ہوگا کیونکہ دلی پر آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت تھی، اس شعر کے کہنے کے بعد نہ وہ دلی رہی اور ہم انگریزوں کی غلامی میں آ گئے۔

مگر دل تو دل ہے اور دل کے بارے میں ہمارا خیال کچھ جداگانہ ہے اور ہم چاہتے بھی یہیں کہ اللہ ہر ایک کو ایسا دل عطا کرے۔

دل دے تو پروردگار اس مزاج کا دے
جو غم کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

جب دل کی بات آتی ہے تو ہمیں دل دینے، دل لینے، دل لگانے، دل لٹانے، دل دکھانے کے ہزاروں واقعات نظروں کے سامنے گھوم جاتے ہیں۔

دل ایک ایسا لفظ ہے جو کبھی مل نہیں سکتا، اس لیے شاید دل لگانے والے، دل جلے، دل کٹے اور نہ جانے کیا ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے قرآن کریم نے دل کے بارے میں کہا: ''آنکھیں اندھی نہیں بلکہ وہ دل جو سینے میں ہیں اندھے ہیں''۔

آگے کہا گیا: ''جو صاحب دل ہیں اس کے لیے قرآن کی نصیحت کافی ہے''۔

آنکھوں کے ساتھ دل کا روشن ہونا ضروری ہے، ورنہ بینا، نابینا بن جائے گا، دل کو پانچ چیزیں بگاڑ دیتی ہیں، اس لیے ان پانچ چیزوں کو سنبھال کر رکھو:

۱- توبہ کی امید پر گناہ کرنا۔
۲- علم سیکھنا اور عمل نہ کرنا۔
۳- عمل کرنا اور اخلاق نہ ہونا یا اخلاص۔
۴- رزق کھانا اور شکر نہ کرنا۔
۵- دفن کرنا اور عبرت نہ پکڑنا۔

ان پانچ چیزوں پر عمل کروگے تو دل آئینہ کی طرف صاف رہے گا، اور اس پر عمل نہ کروگے تو دل بے دل و بیکل ہو جائے گا اور وہ دل کسی قابل نہ ہوگا، اسی لئے اگر تم کسی کا دل جیتنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے دل سے گناہ کو نکال کر توبہ کرو، علم کے ساتھ عمل کرو اور عمل میں اخلاص پیدا کرو، ورنہ عمل بے عمل ہوگا، رزق کھاؤ تو صدق دل سے اس کا شکر ادا کرو، دوسروں کی موت سے عبرت حاصل کرو، اگر ہم اس پر عمل کرلیں تو دوسروں کا ہی نہیں بلکہ دنیا کا دل جیت جائیں گے، دل پر بے شمار محاورے اور تلمیحات واشارے ہیں جن کو پڑھ کر دل کہتا ہے کہ یہ دل نہیں دریا ہے، آپ بھی پڑھئے کہ آخر یہ محاورے کیا ہیں؟۔

دل لگانا، دل چرانا، دل ٹھکنا، دل اٹھ جانا، دل اچاٹ ہونا، دل آزاد، دل جان، دل جلا، دل جلانا، دل جمنا، دل جمعی، دلجوئی، دل دھڑکنا، دل بہلنا، دلربا، دلشاد، دل شکستہ، دل شکنی، دلفریب، دل کڑھنا، دلکشا، دل کے پھپولے پھوٹنا، دل کے پھپولے پھوڑنا، دل کے پھپھولے جل جانا، دل گروہ، دل گیر، دل لگنا، دل ملنا، دل میں آنا، دل میں رکھنا، دل نشیں، دل نہ ملنا، دل وجان، دل ودماغ اور بھی محاورے ہیں۔

دل گیا ہاتھ سے لوگوں نے کہا دل آیا

دل کے ساتھ خوشی اور غم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، دل لگاؤ تو غم ملتا ہے، اور خوشی بھی، دل اٹک جائے تو دل کو غم، دل کا اٹھنا، اچاٹ ہونا، یا دل آزادی تو دل کو ہی غم، اگر کسی پر دل بھی آجائے تو حضرت دل گھبراتا ہے، دھڑکتا ہے، اس میں وحشت اور کبھی کبھی دہشت پیدا ہوتی ہے، یہ دل جس کی دھڑکنوں میں ہر دھڑکن ایک نئی امنگ پیدا کرتی ہے، ایک نیا جذبہ اور ایک نئی زندگی پیدا کرتی ہے، ان دھڑکنوں میں جو شور ہے اس کو سن کر خواجہ حیدر علی آتش نے کہا:

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

دل کی ان دھڑکنوں سے پتہ چلتا ہے کہ سارا خون دل میں جمع ہو گیا اور اس دل کی وحشت سے اکثر بلڈ پریشر بھی بڑھ جاتا ہے، دماغ کی رگیں تن جاتی ہے، کیونکہ ہر شاعر اپنے شعر میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ محبوب کا تصور پیش کرتا ہے، بلکہ شاعری کیا ہے؟ بقول صفی لکھنوی:

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے

دل اگر بے کار ہے تو شاعری بیکار ہے

اس شعر سے یہ بات ''سولہ آنے سچ'' ثابت ہوتی ہے کہ شاعری دلی جذبات کی عکاسی کرتی ہے، شاعر دل والے ہوتے ہیں، اگر شاعر دل والا نہ ہو تو اس کی شاعری کو بیکار شاعری کہا جاتا ہے۔

اس لیے شاعر کہتا ہے:

دل تو ہے دھڑکنے کا بہانہ کوئی ڈھونڈے

پتھر کی طرح بے حس و بے جان سا کیوں ہے

شاعروں نے دل کی دھڑکن کو دل لگی بنادیا:

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکالی دیکھ لی

دل کو آئینہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ کسی مفکر نے کہا:

''دل آئینہ کی طرح صاف، زبان شہد کی طرح میٹھی رکھو اور کام برف کی طرح رکھو''۔

بات تو دل کے آئینے کی ہے اور تصویر یار کے لیے گردن جھکانے کے ساتھ ہی دل میں تصویر آجاتی ہے، یہ تو مومن خان شوقؔ کے دور کی بات تھی، بلکہ آج کے الیکٹرانک دور میں گردن جھکانے کی ضرورت نہیں موبائل کافی ہے، بلکہ کسی شاعر نے کہا کہ تصور سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں:

چھپا لو شوق سے تم اپنی صورت سات پردوں میں

تصویر ایسی شئ ہے کہ پردہ ہو نہیں سکتا

دل کو آئینہ کہا اور تصویر یار دیکھ لی، تصویر میں تصویر یار آگئی مگر حضرت جگر مرادآبادی نے بھی بڑے جگر کی بات کہی:

شیشۂ دل وہ ہستی نازک ٹھیس لگی اور ٹوٹ گئی

اس تصویر کو دیکھ کر دل کو نہ آئینہ بناؤ، کیونکہ ذرا سی ٹھیس پر یہ آئینہ دل ہستی نازک کو چکنا چور کر دے گا، اسی لیے ایک شاعر نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں آئینہ کی تعریف کی ہے۔

آئینہ بننے سے تو بہتر ہے کہ پتھر بنو

تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں

ولی محمد نظیر اکبرآبادی کا خیال دیکھئے:

شہر میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل

اب کہاں لے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانہ کو ہم

اداسی اور مایوسی کو کفر کہا گیا ہے، اس لیے ہم کو چاہئے کہ ہم ہمیشہ

اپنے دل و دماغ کو اچھے کاموں میں مشغول رکھیں۔

دل کے بارے میں دل والوں کے سوا کسی دوسروں کی رائے ہمیشہ غلط رہتی ہے، کیونکہ ایک دل جلا، اپنے آپ کو نہیں بلکہ دنیا کو جلا ڈالتا ہے۔

دل ہی جسم کا ایک عضو ہے جو ہزاروں صعوبتیں اور مشکلیں سہنے کے بعد بھی دل ہی میں رہ جاتا ہے، دل بھر آنا، دل بند ہونا، دل پکڑنا، دل ٹھکانے لگانا، دل چرانا، دل دہلنا، دل دھک دھک کرنا، دل کھلانا، دل سوسنا، دل میں بل ڈالنا، دل کے پھپولے، اس پر ایک نوخیز شاعر کا یہ شعر یاد آ گیا، اس نے داغ کی محفل میں سنایا تھا:

دل کے پھپولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

دل کے کیا کہنے یہ ایک ایسی شئ ہے اگر کسی پر آ جائے تو اپنا سب کچھ قربان کر دے اور اگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو تو وہ اپنے محبوب کی خاطر دنیا کو آگ لگا دے گا، دل کے جلنے پر شاعر نے بڑا اچھا نقشہ کھینچا ہے:

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

محبوب اگر دلدار یا دل والا ہو تو اس کے کیا کہنے:

ناموں کا ایک ہجوم سہی میرے آس پاس
دل سن کے ایک نام دھڑکتا ضرور ہے

ولی دکنی نے کیا خوب کہا ہے:

دل کو لگتی ہے دل ربا کی ادا
جی میں بستی ہے خوش ادا کی ادا

یقیناً:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

کسی کا دل دکھانا سب سے بڑا گناہ ہے، خاص طور پر صنف نازک کا دل یعنی عورت کا دل، نیک عورت کو دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے، عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، اس لئے وہ اس کے نزدیک یعنی دل کے قریب ہے۔

اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو محبت نہ ہوتی، محبت نہ ہوتی تو دل نہ ہوتا اور اگر دل نہ ہوتا تو دنیا نہیں ہوتی۔ (بشکریہ شعاع اردو حیدرآباد)

❁❁❁❁

فرنگیوں کے انگارے بھی بنے پھولوں کا بستر

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مالٹا جیل میں تھے، اس وقت حضرت شیخ الہند کو سزا دی جاتی تھی جس سے جسم پر زخم ہوجاتے تھے اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ فرنگی انگارے بچھا دیتے اور حضرت کو اوپر لٹا دیتے تھے، جیل کے حکام کہتے محمود! صرف اتنا کہہ دو کہ میں فرنگیوں کا مخالف نہیں ہوں، ہم آپ کو چھوڑ دیں گے، حضرت فرماتے نہیں میں یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا، میں اللہ کے دفتر سے نام کٹوا کر تمہارے دفتر میں نام لکھوانا نہیں چاہتا، ایک دفعہ حضرت آئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کو اذیت ناک سزا دی گئی ہے، ہم حضرت کے ساتھ تین چار شاگرد تھے ہم نے مل کر عرض کیا، حضرت! کچھ مہربانی فرمائیں کوئی حیلہ یا تدبیر، حضرت کے چہرے پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے، فرمانے لگے حسین احمد! تم مجھے کیا سمجھتے ہو، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت خبیب کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت سمیہ کا، میں روحانی بیٹا ہوں امام احمد بن حنبل کا جن کو اتنے کوڑے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کو بھی مارے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا، میں روحانی بیٹا ہوں مجدد الف ثانی کا جن کو دو سال کے لیے گوالیار کے قلعہ میں قید رکھا گیا تھا، میں روحانی بیٹا ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا جن کے ہاتھوں کو کلائیوں کے قریب سے توڑ کر بیکار کر دیا گیا تھا، حسین احمد! کیا میں ان فرنگیوں کے سامنے شکست تسلیم کرلوں، نہیں یہ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں مگر میرے دل سے ایمان نہیں نکال سکتے، سبحان اللہ! آگ کے بستروں پر رحمت خداوندی کا ظہور ہو رہا تھا۔

پیش کردہ : حافظ عبدالستار عزیزی

نظر وفکر

ذات برادری کی سیاست اور قرآن

مولانا سلمان عبدالصمد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آج کل ذات برادری کا پتہ سیاسی دنیا میں خوب چلتا ہے، ذات پات کی سیاست پر ارباب سیاست کافی یقین رکھتے ہیں، ذات برادری کے گھوڑوں پر سوار ہوکر وہ فتح کا قلعہ اپنے سر کرنے میں لگے رہتے ہیں، تاہم ذات پات کو حد سے زیادہ اہمیت دینے والے سیاست داں ببانگ دہل یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ ایسی سیاست صحیح نہیں، ذات برادری پر یقین رکھنا انتہائی غلط ہے، ایسی سیاست سے میرا کچھ لینا دینا نہیں، ہم تو ہیں غیر جانبدار، جانبداری سے تو ہماری ازلی دشمنی ہے، سیکولرازم پر ہمارا اعتماد ہے، ارباب سیاست کے اس قولی اور عملی تضاد سے قطع نظر آئیں قرآن پر اس تعلق سے نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ اس تناظر میں اس کا فرمان کیا ہے۔

پہلی آیت:

”ان فرعون علا فی الارض وَ جَعَلَ اَهلَها شَیعاً یَستضعِفُ طَائِفَة مِنهُم یُذَبح اَبنا ءَهُم وَیَستَحیِ نِسَاءَ هُم اِنَّهٗ کَا نَ مِنَ المُفسِدِیۡنَ“۔(القصص:۴)

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین (مصر) میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا، ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو ذبح کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا، فی الوقع وہ فسادیوں میں سے تھا۔

”اَیۡ اِستَکۡبَرَ وَتَجَبّرَ ، وَجَاوَزَ الحَدَّ فِی الطُّغیَانِ فِی اَرۡضِ مِصۡرَ (وَجَعَلَ اَهلَهَا)اَیۡ جَعَلَ اَهلَهَا فِرَقاً وَاَصنَا فاً فِی اِستِخدَامِهٖ وَ طاَ عَتِهٖ (یَستَضعَفُ طَائِفَةٌ مِنهُم)اَیۡ یَستَعبُدُ وَ یَستَذِلُّ فَرِیقاًمِنهُم وَهُم بَنُو اِسرَائِیلَ فَیَسُومُهُم سُوءَ العَذَابِ وَیُذَبِّحُ اَبنَا ءَ هُم ،اَیۡ یَقتُلُ اَبنَاءَ هُم وَیَترُکُ الاِناثِ عَلی قَیدِ الحَیَا ةِ لِخدُ مَتِهٖ وَ خِدمَةِ الاَقبَاطِ “۔(صفوۃ التفاسیر)

یعنی فرعون جابر ومتکبر بن گیا، سرزمین مصر میں طغیان وسرکشی کے حدود کو پھلانگ گیا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ درگروہ کردیا، اپنی خدمت اور اطاعت کے لئے، ان فرقوں میں سے جس فرقہ کو ذلیل و خوار اور جس سے عبادت کا خواہاں تھا وہ تھا بنی اسرائیل، اس پر زہرہ گداز عذاب کا قہر ڈھاتا تھا، ان کے بچوں کو قتل کرواتا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا کہ وہ اس کی اور قبطیوں کی خدمت کرے:”أی اَصنَا فاً، قَد صَرَّفَ کُلَ صِنفٍ فِیمَا یُرِیدُ مِنۡ اُمُورِ دَوۡلَةِ (یَستَضعَفُ طَائِفَةٌ مِنهُم)وَکَانُوا فِیۡ ذٰلِكَ الوَقتِ خِیاَ رُ زَمَانِهِم ،هذَا وَ قَدۡ سَلَّطَ عَلَیهِم هذَا المَلِكُ جَبَّارُ العَتِیۡدِ یَستَعۡمَلُهُم فِیۡ أخِسِّ الاَعۡمَالِ ، وَیَکِیۡدُهُم لَیۡلاً وَنَهَا راً فِیۡ اَشۡغَالِهٖ وَ رَعِیتِهٖ ، وَیَقۡتُلُ مَعَ هٰذَا اَبنَاءَ هُم وَ یَستَحيِ نِسَاءَ هُم“۔(ابن کثیر)

یعنی گروہ گروہ کردیا، اپنے حکومتی امور میں، اپنے ہر طرح کے تصرف کو روا رکھے ہوئے تھا، اپنے رعایا میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنا چاہتا تھا، وہاں کے باشندے اس وقت زمانہ کے رحم وکرم پر تھے، یہی وجہ تھی کہ اس نے ان پر انتہائی بدبخت وکم ظرف بادشاہ مسلط کردیا جو ان کے ساتھ انتہائی گھٹیا سلوک کرتا تھا، اپنے اور رعایا کے مشاغل کے تعلق سے ان پر شب وروز برابر تاؤ کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ اس گروہ کے لڑکوں کو قتل کرواتا اور لڑکیوں کو بقید حیات چھوڑ دیتا تھا۔

تفہیم القرآن:

یعنی اس کی حکومت کا قاعدہ یہ نہ تھا کہ قانون کی نگاہ میں ملک کے سب باشندے یکساں ہوں اور سب کو برابر حقوق دئے جائیں، بلکہ اس نے تمدن و سیاست کا یہ طرز اختیار کیا کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جائے، کسی کو مراعات دے کر حکمراں گروہ ٹھہرایا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا، پیسا اور لوٹا جائے۔

تکبر و گھمنڈ اور غرور کے امراض میں مبتلاء شخص سوچنے سمجھنے کی صلاحیت وقوت تک کھو دیتا ہے، اسے بھلی باتیں بھی بری معلوم پڑتی ہیں، انسانی قدروں کے حدود پھلانگتے بھی اسے ذرا بھی غیرت نہیں آتی، بلکہ اپنے وجود کی ابتداء کو فراموش کر بیٹھتا ہے، جائز و ناجائز اور حسن و قبح میں تمیز اس کے بس میں نہیں ہوتی ہے، فرعون پر گروہ بندی اور فرقہ پرستی کا جو بھوت سوار تھا اس میں بھی غرور و گھمنڈ، تکبر اور اس کے طغیان و سرکشی کا ہی سب سے بڑا عمل دخل تھا، سب سے پہلے وہ اسی مرض لا علاج کا مریض ہوا، پھر مصریوں میں تفریق شروع کردی، انہیں گروہوں میں تقسیم کردیا، تقسیم تک ہی بس نہیں بلکہ جس گروہ کو کمزور تصور کرتا تھا، اس کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، قتل کرنے کا حکم فی الحقیقت ذات برادری کے مدنظر ہی دیا تھا، ذات برادری بلکہ فرقہ پرستی نے ہی فرعون کو مجبور کیا کہ وہ اسرئیلیوں اور قبطیوں کے درمیان مساوات نہ کرے، دونوں کو یکساں مواقع زندگی گزارنے کے نہ ملے، اسی ذات پات کی سیاست نے فرعون کو اتنا مغرور کردیا کہ وہ قتل سے دریغ نہیں کرتا تھا، اس کے دور اقتدار میں ایک گروہ کے بچے قتل کئے جاتے، وہ گروہ دبایا جاتا تھا، اس پر عرصۂ حیات تنگ کردی گئی تھی، دراصل اسی مجرمانہ اور بہیمانہ عمل کی وجہ سے قرآن نے اس کے تعلق سے کہا: ”انہٗ کان من المفسدین“۔

زمرۂ مفسدین میں اس کا شمار کر کے قرآن نے درحقیقت یہ اعلان کردیا کہ فرقہ پرستی، ذات برادری اور اعزہ پروری سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، اسلام فرقہ واریت کا سخت مخالف ہے، حکومتی نظام میں ایسی گروہ بندی اور تفریق مفسدین ومتکبرین کا شیوہ اور شعار ہے۔

دوسری آیت:

”وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“۔(المائدہ:۲)

اور دیکھو! ایک گروہ جس نے تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کردیا ہے، تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں نارواں زیادتیاں کرنے لگو۔

آیت کا زمانۂ نزول:

کعبہ ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ کی یادگار رہے، یہ حقیقت مسلم ہے کہ کفار مکہ کو بھی یہ فخر تھا کہ وہ ابراہیمی ہیں، حضرت ابراہیم ان کے پیشوا اور رہنما تھے، یہی وجہ ہے کہ بیت اللہ صرف مسلمانوں کی نگاہ میں ہی نہیں بلکہ ان مشرکین و کفار کے نزدیک بھی معزز تھا، محترم و مقدس تھا، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں مقیم تھے، اس لئے کعبہ کی زیارت نہیں ہو پاتی تھی، چنانچہ ذی قعدہ ۶ھ میں تقریباً چودہ سو صحابہ کے ہمراہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے نکلے، صرف اور صرف عمرہ کا ہی قصد تھا، یہی وجہ تھی کہ کوئی جنگی ہتھیار ان کے ساتھ نہ تھا، مگر مشرکین نے دخل اندازی کی، انہیں بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا، انتہائی ردوکدح کے بعد سہیل بن عمر کو سفیر بنا کر انہوں آپ ﷺ کی خدمت میں صلح کے لئے بھیجا، صلح ہوئی، (جسے تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) صلح میں جہاں بہت سے معاہدات تھے ان میں سب سے بڑا معاہدہ اس سال حج وعمرہ کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ آئے صحابہ اس سال حج وعمرہ نہیں کر پائیں گے، اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے انہیں ایک برس کا انتظار کرنا تھا، یہ صلح کیا ہوئی کہ صحابہ کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، وہ حیران وششدر تھے، ہکابکا تھے، ان میں سراسیمگی کی فضا تھی، ان کے صبر کا پیمانہ چھلکا جاتا تھا، مزین منبر ومحراب حضرت عمر رضی اللہ کی پریشانی وحیرانی کا عالم نہ پوچھئے وہ بارگاہِ رسالت میں آکر کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے

رسول نہیں؟ کیا ہم حق پر نہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تھا کہ ہم عمرہ کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کیوں نہیں اے عمر! میں اللہ کا رسول برحق ہوں، ہم حق پر ہیں اور ہم نے یہ کب کہا تھا کہ اسی برس ہی ہم عمرہ کرلیں گے، آپؓ کی بے قراری کو اب بھی قرار نہیں، حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس جاتے ہیں اور یہی کہتے ہیں، انہوں نے بھی یہی جواب دیا، چونکہ سب عمرہ کی غرض سے آئے تھے اس لئے قربانی کے جانور بھی ساتھ لائے تھے، آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ اب صلح ہوچکی ہے، چنانچہ قربانی یہیں کردی جائے، جانثار اور ہم دم صحابہ اپنی بے قراری کی وجہ سے فی الفور قربانی کے لئے تیار نہیں ہوئے، ذرا اندازہ کیجئے آپ ﷺ پر صحابہ کے اس عمل سے کیا گزری ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے پاس دلبرداشتہ گئے اور ان سے یہ پوری کہانی سنائی، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ پہلے آپ ہی قربانی شروع کردیجئے، قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کی تو صحابہ کو یقین کامل ہوگیا کہ جو ہونا تھا سو ہوگیا، اس برس ہم عمرہ نہیں کرپائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی قیمت پر اپنے معاہدہ پر نظر ثانی نہیں کریں گے۔

ذرا اس صورتحال کو ذہن میں رکھیں کہ عمرہ نہ کرنے کی وجہ سے صحابہ کس حد تک کبیدہ خاطر تھے اور اس بات کو بھی کہ کعبہ مشرکین کی نگاہ میں بھی معزز تھا۔

ابن حاتم نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر ہی تھے، اسی اثناء میں مشرقی علاقہ کے لوگ آپ کے پاس سے گزر کر مکہ زیارت کے لئے جارہے تھے، صحابہ نے کہا کہ ہم ان کو اسی طرح نہ روک لیں جس طرح ان کے آدمیوں نے ہمیں اس کی زیارت سے روکا ہے، فوراً مذکورہ آیت کا نزول ہوا، "ولا یجرمنکم"۔

اللہ اللہ!! سوچئے ذرا گہرائی سے سوچئے اسلامی تعلیمات کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ کیا روشن حکم ہے، اگر اسلام میں ذرا بھی ذات برادری، اعزہ پروری، جانبداری، فرقہ پرستی اور تعصب وتنگ نظری کی گنجائش ہوتی تو قرآن حکم دیتا کہ اس گروہ کے ہمنواؤں نے تمہارے ساتھ جیسا برتاؤ کیا، اسی طرح تم بھی اس موقع کو غنیمت جانو اور انہیں دھول چٹادو، اگر حکم نہیں دیتا تو کم ازکم خاموش ہی رہتا کہ تمہیں جو کرنا ہے وہ کرلو، مگر قربان جایئے اسلامی تعلیمات پر کہ اس نازک مرحلہ میں بھی ایسا صریح حکم دے دیا، جس سے یہ ثابت ہوگئی کہ ذات پات اور عصبیت کا اسلام سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں، اسلام کے علاوہ کون کہہ سکتا ہے کہ سنو! ان کی زیادتیاں تمہیں اشتعال انگیزی پر نہ ابھارے، اس سے صاف اور روشن تعلیم کیا ہوسکتی ہے، غیر جانبداری، عدل اور امن وآشتی کے تئیں؟؟۔

سب سے واضح آیت:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَ قْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰیٓ اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا"۔

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو، چاہے یہ گواہی تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو (اسی طرح تمہارے سامنے) امیر ہو کہ مفلس (سچی گواہی دو) کیونکہ اللہ دونوں سے زیادہ حق دار ہے، لہٰذا خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کجی کروگے یا پہلوتہی اختیار کروگے تو اللہ تمہارے کرتوت سے خوب خوب باخبر ہے۔

قرآن کی اسی آیت میں رب کائنات نے سب سے زیادہ واضح کردیا کہ اقرباء پروری، فرقہ پرستی اور عصبیت سے اسلام کا قطعاً کوئی تعلق نہیں، متعدد وجوہات کی بنیاد پر انسان جانبدار بنتا ہے، کبھی جانبدار بننے (صحیح شہادت ادا نہ کرنے) میں رشتہ داری سامنے آتی ہے تو کبھی کسی کی طاقت وقوت، کبھی کسی کی غربت پر رحم کھا کر انسان جانبدار بنتا ہے ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۴۵ پر﴾

دعوتِ دین

صبر کی حقیقت اور اس کے فوائد

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۱۵/دسمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ بعد نماز مغرب مرکز کی جامع مسجد میں نوجوانوں کے ایک مجمع میں ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

تمھید:

میرے دوستو! اگر کسی صاحب کا کسی ایم پی، ڈی ایم، یا کسی پردھان سے، وزیراعظم سے تعلق ہوجاوے، یا کسی مالدار سے تعلق ہو جائے تو وہ پھولا نہیں سماتا، اور وہ بات بات میں دعویٰ کرتا ہے کہ میری سپورٹ بہت بڑی ہے، مجھ کو کون کیا کہہ سکتا ہے، تو جس کو سپورٹ خدا تعالیٰ کی مل جاوے، جس کا تعلق ڈائرکٹ (Direct) احکم الحاکمین سے ہو، جس کا تعلق ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ سے ہو، جو شہنشاہوں کا شہنشاہ، بادشاہوں کا بادشاہ، خالق کائنات خالق کون ومکاں، جس کو اس سے تعلق ہو اس سے محبت ہو، تو پھر اس کی سپورٹ کتنی بڑی ہوگی؟ سب سے بڑی ہوگی، لیکن یہ بھی قاعدہ ہے کہ محبت کے اندر ہمیشہ آزمائش آتی ہے، قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: "الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَایُفْتَنُوْنَ" اے لوگو! کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ دئے جاؤ گے، صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اللہ پر اور تم آزمائے نہ جاؤ''۔

اپنے محبوب کو آزمایا جاتاھے:

جنت میں داخل ہونے کے لئے آزمایا جانا، مصیبتوں کا آنا، پریشانیوں کا آنا ضروری ہے، جو جتنا قریب ہوگا، باپ جس بیٹے کو زیادہ چاہے گا تو اس کو ڈانٹے گا بھی زیادہ، تاکہ اس کی تربیت صحیح ہوجائے، استاد جس شاگرد سے زیادہ تعلق رکھے گا، اس کو چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بھی ٹوکے گا تاکہ اس کی تربیت صحیح ہوجائے، غرضیکہ جس آدمی کو دنیا میں جس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے، اس کی چھوٹی بات بھی بڑی ہوتی ہے، ایسے ہی اللہ کے جو نافرمان بندے ہیں، اللہ ان کو ڈھیل دے کے رکھتے ہیں، جو کافر ہیں، جو ایمان نہیں لائے، وہ کتنی بھی شرارتیں کریں، ان کو کبھی پیٹ میں درد نہیں ہوتا، ان کو کبھی سر میں درد نہیں ہوتا، ان کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی، مستی کی اور عیش کی زندگی گزارتے ہیں، خوب کھاتے ہیں، کبھی پیٹ نہیں ابھرتا، کبھی گیس نہیں ہوتا، غرض یہ کہ کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی، لیکن جن کا تعلق اللہ سے ہے، جو ایمان والے ہیں، ان کو ذرا سا کچھ ہوجائے تو تکلیف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تکلیف دے کر یہ چاہتا ہے کہ میری طرف متوجہ ہوجاویں۔

بچہ کے رونے پر ھی ماں متوجہ ھوتی ھے:

بچہ روتا ہے تاکہ ماں اس کی طرف متوجہ ہوجائے اگر وہ نہ روئے تو ماں دیکھتی بھی نہیں، تو ایسے ہی اللہ کے جو بندے ہیں، جب وہ پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، تو پھر کس کو یاد کرتے ہیں؟ اللہ کو، تو پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ آزمائش میں نہ ڈالے، اللہ تبارک وتعالیٰ تکلیف میں نہ ڈالے، تو پھر انسان متوجہ نہیں ہوتا، یہ دنیا کا قانون بھی ہے اور ایک عام نظام بھی ہے، اور اس پریشانی پر، اس آزمائش پر، اس تکلیف پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو اجر مرتب ہوتا ہے، وہ بہت بڑا ثواب ہے، قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، یہ آیت آپ نے بہت سنی ہوگی،

تقریروں میں اور کتابوں میں پڑھی ہوگی، اور اپنی کہاوت میں بھی سنا ہوگا کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، قرآن کہہ رہا ہے، کہ اللہ تبارک وتعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور "اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" جو صبر کرنے والے ہیں مصیبتوں پر، پریشانیوں پر اور اللہ کے راستہ میں جو روڑے آتے ہیں ان کو برداشت کرتے ہیں، تو ان کو پورا پورا ثواب ملے گا، پورا پورا اجر ملے گا بغیر حساب وکتاب کے۔

صابرین کے علاوہ سارے لوگ گھاٹے میں ہیں:

قرآن کریم میں ایک چھوٹی سی سورت ہے، جس کا نام سورہ عصر ہے، اس میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کہ ساری دنیا کے لوگ خسارے میں ہیں، گھاٹے میں ہیں، صرف وہ لوگ گھاٹے میں نہیں ہیں جو ایمان لے آئے، اور نیک کام کئے اور نیک باتوں اور حق باتوں کی تلقین کی، لوگوں کو ٹھیک ٹھیک باتیں بتلائیں، لیکن ٹھیک بات بتلانے پر اگر کوئی غصہ ہوا، کسی نے ڈھیلا پھینک کر مارا، کوئی ناراض ہوا، آپ نے کہا کہ بھائی نماز پڑھ لو، کہ چل بڑا ملاجی بن کر آیا، تو اس پر آپ نے صبر کرلیا، آپ نے کسی کو صحیح بات بتلائی کہ بھائی یہ بات صحیح نہیں ہے، یہ غلط ہے، کہ چلو بڑے ملاجی معلوم ہوتے ہو، تو اس پر صبر کرنا "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" اس پر صبر کرنا، آپ نے کہا بھائی شراب پینا گناہ ہے، اور اس نے اٹھایا ہاتھ میں ڈنڈا اور وہی آپ کو مار دیا، اور آپ نے صبر کرلیا تو اس پر بھی آپ کو اجر ملے گا اور خسارے سے بھی بچ جاؤ گے۔

صبر کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے:

اسی لئے قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے: "وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ" کہ جو صبر کرتا ہے اور معاف کرتا ہے، تو اللہ تعالی کے نزدیک یہ بڑی بات ہے، ہم کہتے ہیں کہ کسی کے نزدیک یہ بڑا بھاری کام ہے، بڑی بات ہے، صبر کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے، اصل میں صبر کہتے ہیں برداشت کرنے کو اور عام مفہوم میں تو ہم لوگ سمجھتے ہی ہیں کہ کسی کو کوئی دقت پیش آتی ہے، تو کہتے ہیں کہ بھائی صبر کرو، بھائی یہ ہوگیا، بھائی صبر کرو، اس نے ہمارا حق مار لیا کہ بھائی صبر کرو، بھائی وہ ہمیں پریشان کررہا ہے، ہمارا حق نہیں دے رہا ہے، کہ بھائی صبر کرو، یہی ہم لوگ آپس میں بھی تلقین کرتے ہیں، تلقین تو کرتے ہیں، لیکن اس کا کتنا بڑا مرتبہ ہے، اس کا کتنا اور کیا فائدہ ہے؟ اس کی حقیقت سے ہم لوگ آگاہ نہیں ہیں۔

صبر کرنا مغفرت کا ذریعہ ہے:

حضرت موسی علیہ السلام اللہ کے پیغمبر گزرے ہیں، بہت اولعزم اور بڑے پیغمبر تھے، ایک مرتبہ وحی آئی کہ اے موسی کیا ہم تم کو کوئی ایسی بات نہ بتلادیں کہ دنیا کی اور کائنات کی ساری کی ساری مخلوقات تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ! ضرور بتلایئے، یہ تو بہت اچھی بات ہے اگر مجھے پتہ چل جائے، تو اللہ تبارک وتعالی نے وحی کے ذریعہ حضرت موسی علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ اے موسی! دنیا کے اندر لوگوں کی طرف سے، مخلوق کی طرف سے، اللہ کے بندوں کی طرف سے جو تجھ کو تکلیفیں پہنچیں، بس ان پر صبر کرنا، ان پر اگر صبر کروگے تو دنیا کی اور کائنات کی جتنی مخلوقات ہیں وہ آپ کے لیے مغفرت کی دعائیں کریں گی۔

حضرت ابراهم بن ادهم کا صبر:

اللہ کے ایک محبوب بندے شاید نام آپ نے تقریروں یا کتابوں میں سنا یا پڑھا ہوگا، حضرت ابراہیم ابن ادہم بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں، ایک مرتبہ ایک کشتی میں سوار ہوکر جارہے تھے جیسا کہ آج کل تو بسوں میں ۶۰/۷۰ آدمی آتے ہیں، ایسے ہی کشتیاں ہوتی تھیں جس میں دوسو، تین سو آدمی آتے تھے، بڑی بڑی کشتیاں ہوتی تھیں، ایک مرتبہ کشتی میں سوار ہوئے، انہوں نے اپنے سر کو منڈوا رکھا تھا، کشتی میں جہاں بہت سارے لوگ سوار تھے، وہیں کچھ بچے بھی سوار تھے، جب انہوں نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری، تو ایک بچہ نے قریب آکر دیکھا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، تو اس کو بہت مزہ آیا، ایسے ہی یکے بعد دیگر سارے بچے وہاں پہنچ گئے اور سبھوں نے ہاتھ پھیرنا

شروع کیا، کسی نے صرف ہاتھ پھیرا، کسی نے سر میں مارا بھی، یعنی سب بچوں نے ان کا مزاق بنا لیا، پھر کیا تھا کہ کشتی میں جتنے لوگ تھے سبھوں نے ہنسنا شروع کیا اور دانت پھاڑنے لگے، ہنسنے لگے، اور یہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے تھے، خاموش بیٹھے تھے، صبر کررہے تھے، اتنے میں اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ اے ابراہیم! اگر تم دعا کردو تو ہم اس کشتی کو پانی میں غرق کردیں، چنانچہ انہوں نے بددعا کے بجائے دعا کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ اے اللہ! اس کشتی کو مت الٹ بلکہ ان کے دلوں کی کشتی کو الٹ دے، یعنی ان کے اندر کی دنیا بدل دے، ان کے اندر دین ڈال دے، ان کے اندر اسلامیت ڈال دے، چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ جتنے سارے لوگ کشتی میں تھے، مرنے سے پہلے سب کے سب اللہ والے ہوگئے تھے؛ کیونکہ انہوں نے دل سے دعا کی تھی اور صبر کیا تھا، اگر ہم اس جگہ پر ہوتے تو کہتے کہ اے اللہ اس کشتی کو ڈبو ہی نہیں بلکہ ان کو صفحۂ ہستی سے بھی مٹا دے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا صبر:

ایک مرتبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھر میں گئے، ایک مہمان آ گیا، تو جو گھر میں باندی تھی، خادمہ تھی، اس سے کہا کہ مہمان آئے ہوئے ہیں، گھر میں جو کچھ سالن رکھا ہوا ہے جلدی سے گرم کرکے لاؤ تو وہ گرم کرکے لانے لگی، اب جیسے ہی گرم کرکے لائی تو دروازے سے پیر ٹکرا گیا، اس لیے سالن نیچے گر گیا، امام حسین نے جب یہ ماجرا دیکھا، تو بہت غصہ ہوئے، غصہ سے لال پیلے ہوگئے، باندی فوراً سمجھ گئی کہ حضرت غصہ میں آ گئے ہیں، اس لیے فوراً اس نے یہ آیت پڑھی: "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ" قرآن کریم کی آیت پڑھی کہ غصہ پینے والے تو وہ فوراً ٹھنڈے ہوگئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا، پھر آگے کہا "وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ" باندی نے پھر آیت کا دوسرا حصہ پڑھا، یعنی جو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، تو حضرت امام حسین نے فوراً کہا کہ چلو میں نے معاف بھی کردیا، اور پھر باندی نے آیت کا آخری ٹکڑا پڑھا "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" کہ جو احسان کرنے والے ہیں، اللہ تعالی ان کو پسند کرتا ہے، تو حضرت امام حسین نے یہ آیت سن کر کہا کہ چل اچھا تجھے آزاد کردیا، باندی کو آزاد کردیا، تو یہ صبر ہے، قرآن کی آیت سنی فوراً عمل، ہم لوگ رات دن تقریریں سنتے ہیں، رات دن کتابیں سنتے ہیں، مگر وہی من مانی کی زندگی، ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

ایک صحابیہ کا صبر:

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بات ہے، ایک صحابیہ عورت کی بھی مثال آپ کو دے کر بتلا دوں کہ صبر کیا چیز ہے، اور صبر کرنے پر اللہ تعالی کتنا نوازتا ہے، ایک صحابیہ ہیں، ان کے شوہر باہر گئے ہوئے تھے، بچہ ان کے یہاں پیدا ہوا تھا، چھوٹا بچہ تھا، بچہ شوہر کے جانے کے بعد ہی پیدا ہوا تھا، جس روز شوہر کو آنا تھا سفر سے، مثلاً شوہر کو مغرب کے بعد پہنچنا ہے، تو بچہ کا عصر کے بعد انتقال ہوجاتا ہے، تو اس نے سوچا غور کیا کہ اب یہ حادثہ پیش آ گیا، شوہر بھی آنے والے ہیں اور وہ اچانک آ کر دیکھیں گے تو ان کو تکلیف ہوگی، تو اس نے تھوڑا صبر سے یہ کام لیا کہ انتقال تو ہو ہی گیا ہے، بچہ کو نہلا دھلا کر اس کو ایک الگ چارپائی پر لٹا دیا اور کپڑا ڈھک دیا، جس سے کہ شوہر آوے اور اس کو فوراً ایک دم دل پر جھٹکا نہ لگے، کہ او ہو اپنے بچہ کو دیکھ بھی نہ سکا، چنانچہ وہ مغرب کے بعد اندھیرے سے میں آئے، سلام دعا کے بعد، خیریت معلوم کی، پوچھا بچہ ہوا تھا کیا حال چال ہے بچہ کا، تو عورت نے کہا کہ ماشاء اللہ آرام سے ہے، سکون سے ہے، تو شوہر نے سوچا کہ شاید سو رہا ہوگا، اس لیے کہہ رہی ہے کہ آرام سے ہے، چنانچہ کھانا بھی کھایا اور سب کام، بات چیت اور سفر کے حالات بھی ہوئے اور رات میں اپنی ملاقات بھی کی، ایک شوہر جو اپنی بیوی سے تعلق قائم کرتا ہے، وہ بھی کیا، سب کچھ کرنے کے بعد پھر صبح فجر کی نماز پڑھی، فجر کی نماز کے بعد شوہر سے عورت کیا کہتی ہے کہ اچھا ذرا ایک بات بتلاؤ! میری سمجھ میں ایک بات آ رہی ہے، اگر آپ کسی کو کوئی امانت دیدو، کسی کو دس روپیہ دیدو کچھ دنوں کے لیے اور وہ اپنے دس روپئے واپس لے

لے تو کیا کرنا چاہئے؟ تو اس نے کہا کہ دیدینا چاہئے۔

عقلمند بیوی کا بے پایاں صبر:

کہنے لگی کہ اچھا سنو! اللہ نے ہمیں ایک امانت دی تھی، ایک بچہ دیا تھا، اور وہ شام آپ کے آنے سے پہلے اللہ تعالی نے لے لیا، اب یہ حیرت میں پڑ گیا، خوش ہوا کہ کتنی عقلمندی سے، کتنے صبر وضبط سے کام لیا، ماں کا صبر، انداز لگایئے آپ، باپ صبر کرلے، کوئی اور صبر کرلے لیکن ماں کا صبر، اس درجہ کہ ایک چھوٹا سا بچہ اور شوہر کو ہوا تک بھی نہیں لگنے دی، اور جب صبح کو اطلاع بھی دی تو کس خوبصورت انداز میں، چنانچہ وہ فوراً تھوڑی دیر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا واقعہ پیش آیا اور میں رات ہی میں سفر سے پہنچا ہوں؛ لیکن عورت نے مجھ کو بتلایا نہیں کہ بچہ فوت ہوچکا ہے، اب صبح بھی مجھ کو اس انداز سے بتلایا، ہم نے ہنسی خوشی کے ساتھ رات گزاری ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صبر کے بدلہ میں ان کو دعائیں دیں اور ان دعاؤں کے بدلہ میں اس رات کی ملاقات سے اللہ نے جو حمل ٹھہرایا، وہ ایسا بچہ بنا، حافظ بنا، محدث بنا، اللہ کا مقبول بندہ بنا، تو صبر اتنی بڑی نعمت ہے، جس نے صبر کیا، تو صبر کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالی بڑی بڑی نعمتیں دیتا ہے، اگر کسی کام میں صبر کریں گے، تو اسی کے اعتبار سے اللہ تعالی آپ کو اجر دے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کا صبر:

امام ابوحنیفہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، بڑے امام گزرے ہیں اور ہم لوگ امام ابو حنیفہ ہی کو مانتے ہیں، ایک مرتبہ وہ اپنے ہزاروں شاگردوں میں بیٹھے ہوئے پڑھا رہے تھے تو بعض لوگ شریر قسم کے ہوتے ہیں، دیکھا کہ ملاجی ہیں، کوئی چٹکلا چھوڑتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ تھوڑی دیر ہنس لیں گے تو مزہ آجائے گا کہ ملاجی کی مذاق اڑادی، چونکہ امام ابوحنیفہ کے والد صاحب کا انتقال ہوچکا تھا، والدہ بوڑھی تھیں اور آپ اپنے شاگردوں میں بیٹھے پڑھا رہے تھے تو ایک منچلا آیا، اس نے آکر کہا امام صاحب! السلام علیکم، وعلیکم السلام جی! امام صاحب آپ کی والدہ سے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں اور آپ ہوتے تو کیا کرتے، جوت اٹھا کر اس کو وہیں مارتے اور جتنے شاگرد بیٹھے ہوئے تھے، ان سے کہتے کہ مارو اس کمبخت کو، اس نالائق کو، کیسی بات کہہ رہا ہے، شرم نہیں آتی، میں خود بوڑھا ہوگیا ہوں، میری والدہ مزید بوڑھی ہوگئی ہے، اور یہ نکاح کرنے کو کہہ رہا ہے، گویا طرح طرح سے اس کو ذلیل کرتے، مگر امام ابوحنیفہ نے صبر کیا، ضبط اور تحمل سے کام لیا اور کہا کہ بھائی تمہاری بات ٹھیک ہے میری والدہ عاقلہ بالغہ ہیں، سمجھدار ہیں، یہ بات مشورہ سے تعلق رکھتی ہے، میں گھر جاؤں گا، اور والدہ سے مشورہ کروں گا، پھر آپ کو بتلاؤں گا، اس نے تو اپنے حساب سے طنز کی بات کہی تھی، چٹکلا چھوڑا تھا، لیکن یہاں صبر کا انداز دیکھئے، آگ بگولا نہیں ہوئے، غصہ میں نہیں آئے کہا کہ میری والدہ عاقلہ بالغہ ہے، سمجھدار ہے، چنانچہ وہ آدمی اتنی بات کرکے کچھ دور چلا ہی تھا کہ ٹھوکر لگی، سر کے بل گرا، گردن ٹوٹ گئی اور مرگیا، امام ابوحنیفہ کے صبر نے اس آدمی کی جان لے لی۔

ایک مرید کے صبر کا واقعہ:

اب سے بچاس ساٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک شخص تھا جو کسی بزرگ سے مرید تھا، ایک دن وہ اپنے پیر کے پاس جارہا تھا، آج کل تو سواریاں ہیں، بسیں ہیں، پہلے گھوڑے تانگے میں یا بیل گاڑی میں بیٹھ کر جاتے تھے، تو وہ ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر اپنی مطلوبہ جگہ پر جہاں جانا تھا، ایک بزرگ کی خدمت میں چلے، تو چلتے چلتے راستہ میں اس بیل گاڑی والے نے پریشان کیا، پیسے بھی زیادہ لئے اور ان کو برا بھلا بھی کہا، تو انہوں نے صبر کیا، صبر کے ساتھ، پیسے جتنے طے تھے، اس نے اس سے زیادہ مانگے؛ لیکن انہوں نے چپ چاپ دیدیئے اور دیکر چل دیئے، کچھ دیر بعد اس کی بیل گاڑی کسی بچہ پر چڑھ جاتی ہے، تو گاؤں والے اس کو مارنا شروع کرتے ہیں، اب وہ مار بھی کھاتا ہے اور جرمانہ بھی ادا کرتا ہے، اس نے تو ایک دو روپیہ ہی زیادہ لیا تھا ان سے،

لیکن ان کے صبر نے بہت سارا خرچ کروادیا،تو جب آدمی صبر کرتا ہے، اور صابر اور مظلوم کی جو آہ نکلتی ہے اس سے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ڈائرکٹ اللہ تعالی کے دربار میں پہنچتی ہے، اسی لئے کسی کو تکلیف پہنچانا، کسی کو پریشان کرنا، اس سے اللہ کی پناہ مانگو، اور اللہ سے ڈرو کہ اللہ ہمیں محفوظ رکھے، اور کسی کو ہم تکلیف نہ پہنچائیں، اس لیے کہ تکلیف پہنچانے سے، بڑا نقصان ہوتا ہے، وہ اگر صبر کرلے تو اس صبر کے نتیجہ میں بڑا عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر:

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، صبر ایوب بہت مشہور ہے، وہ اللہ کے بڑے پیغمبر تھے، اللہ کے نبی تھے، اللہ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، اللہ نے ان کو اولاد بھی خوب دی تھی، مال و دولت بھی خوب دیا تھا، سب کچھ دیا تھا، صحت بھی دی تھی، تندرستی بھی دی تھی، شیطان نے کہا کہ بھائی یہ تو اس لیے اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ اللہ نے ان کو سب کچھ دے رکھا ہے، ہم لوگ بھی کہہ دیتے ہیں، اجی اس کے کیا کمی ہے، یہ تو نفلیں پڑھے گا ہی، یہ تو کرے گا ہی، یہ تو روزہ رکھے گا ہی، اللہ تعالی نے بہت دے رکھا ہے، ارے بھائی یہ تو مدرسے میں بہت پیسے دیتا ہے، ہم لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ارے بھائی دے گا کیوں نہیں، جب اللہ میاں نے بہت سارا دیا ہے، چنانچہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام کو کہا کہ بھائی یہ تو اللہ تعالی کی عبادت کریں گے ہی، جب اللہ تعالی نے سب کچھ مال و دولت دے رکھی ہے، اگر اللہ تعالی چھین لے تب پتہ چلے گا، دیکھیں گے پھر بھی یہ کتنی عبادت کرتا ہے، چنانچہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ کچھ جانور تھے، ان میں بیماری پھیلی، وہ مرگئے، پھر بھی وہ اللہ کی شکر گزاری میں لگے رہے، صبر کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے رہے، تو شیطان نے کہا کہ بھائی یہ تو ٹھیک ہے، مال ہی تو ختم ہوا ہے، اولاد تو پوری ہے ہی، اولاد بھی اللہ تعالی نے خوب دی تھی، اب تو کریں گے ہی یہ عبادت، چنانچہ اولاد کے اندر بھی بیماری پھیلی اور ساری اولاد بھی ختم ہوگئی، اب بھلا شیطان تو شیطان ہی ہے، کھلا دشمن "اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" وہ تو انسان کا کھلا دشمن ہے، اس کو پھر بھی برداشت نہیں ہوا کہ نہیں اولاد ہی تو مری ہے، لیکن صحت تو ہے، تندرست اور ہٹا کٹا آدمی ہے، عبادت نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا، چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے جسم میں دانے پیدا کردئے، صرف ان کی زبان اور آنکھ سلامت تھی باقی پورے جسم پر دانے ابھرے ہوئے تھے، اور ان دانوں میں کیڑے پڑ گئے تھے، چنانچہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش تھی، اور آزمائش بھی بہت سخت تھی اور ان کا یہ صبر تھا، مزید ان کو بستی والوں نے گھن کرکے، نفرت کرکے، کہ بھائی یہ بیماری متعدی نہ ہوجائے، ہمارے بچوں کو نہ لگ جائے، ہمارے خاندان والوں کو نہ لگ جائے، لہذا اس کو بستی سے الگ کہیں کوڑی پر ڈال دو، سب نے ساتھ چھوڑ دیا، اخیر تک ان کی بیوی نے ساتھ دیا، ایسی بیوی سب کو نصیب ہوجائے تو بڑی قسمت کی بات ہے، چنانچہ محلّہ والوں نے نفرت کرکے کوڑی پر ڈال دیا، کہ بھائی یہ بستی سے باہر ایک طرف کوڑی پر پڑے رہیں گے، تو کم از کم ہم بو سے اور بیماری سے محفوظ رہیں گے، اور حضرت ایوب علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ جسم سے اگر کوئی کیڑا نیچے گر بھی جاتا تھا، تو اس کو اٹھا کر اوپر رکھ لیا کرتے تھے، کیوں؟ وہ کہتے تھے کہ جب اللہ نے تیری غذا میرے جسم کو بنایا ہے تو نیچے کیوں گرتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اٹھارہ سال تک صبر کیا:

چنانچہ اٹھارہ سال تک اس بیماری میں ملوث رہے، ہمارے تو سر میں درد، پیٹ میں درد ہوجائے تو مایوس ہوکر یہ تمنا کرنے لگتے ہیں یا اللہ! بس تو اٹھالے، ہم لوگوں کا ایمان یہ ہے، کوئی بھی ہو، تھوڑا سا بیمار ہوجاوے، تو ہم دنیا سے مایوس ہو جاتے ہیں، یا اللہ بس اٹھالے، برداشت کی طاقت نہیں اور ہم لوگوں میں یقیناً برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، نہ تو ایمان ہمارا اتنا مضبوط، نہ ہمارے اندر اتنی طاقت اور نہ ہمارا جسم اتنا متحمل کہ برداشت کرسکے، ہم ضعیف الایمان ہیں، ایمان ہمارا کمزور، جسم ہمارا کمزور، صحت ہماری کمزور، ہم ہر اعتبار سے کمزور ہیں

تو ہم برداشت کر ہی نہیں سکتے ، چنانچہ اٹھارہ سال تک یہ بیماری رہی، صرف بیوی نے ساتھ دیا،تو شیطان کو لگی پڑی تھی،اس نے اس وقت بھی ان کوطرح طرح سے بہکانا چاہا،جب سوچا کہ کچھ بس نہیں چل رہا ہے۔

حضرت ایوبؑ کی بیوی کو شیطان نے بھکادیاتھا:

ایک مرتبہ شیطان ان کی بیوی کے پاس گیا، چونکہ عورت تھی اور عورت نرم مزاج کی ہوتی ہے، کہا السلام علیکم! حضرت جی کی شکل میں گیا، بزرگ کی شکل میں کہ تمہارے میاں اتنے دن سے بیمار ہیں، میرے پاس ایک نسخہ ہے،اگرتم چاہوتو بتلادوں،اچھا آرام ہوجائے، کہا ٹھیک ہے، شیطان نے کہالیکن ہمارا ایک دستور ہے، ہم نسخہ تو بتلا تے ہیں؛لیکن ہمارا نظام یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے خدا کوسجدہ کرتی ہوایسے ہی بس ایک مرتبہ سجدہ کرنا پڑے گا مجھے،سجدہ کروتو بس ایسا نسخہ بتاؤں گا کہ فوراً آرام ہوجائے گا، وہ تو چونکہ نبی کی بیوی تھیں؛لیکن بہر حال تھی عورت،تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر تمہاری بات یہ ہے تو میں مشورہ کر کے بتلاؤں گی۔

اگر میں ٹھیک ہوگیاتو تجھے سوکوڑے ماروں گا:

چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں، پوچھا کہ ایک آدمی ایسا آیا تھااوراس نے اس طرح کہا،حضرت ایوب علیہ السلام اس پوزیشن میں ہیں،اتنا سننا ہی تھا کہ غصہ سے لال پیلا ہوگئے فوراً کہا کہ اگر خدانے مجھے صحت دی تو میں تجھے سوکوڑے ماروں گا،وہ تو شیطان تھا، تو نے فوراً کیوں نہیں بھگایا، مشورہ کی بات کیوں کہی "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کیوں نہیں پڑھا،اس کو کیوں نہیں بھگایا، کیوں سجدہ کی بات پر مشورہ کو کہا؟ اگر میں صحیح ہوگیا،تو تجھے سوکوڑے ماروں گا،تونے کیوں گوارہ کرلیا کہ وہ سجدہ کی بات کہے،خدا کے علاوہ بھی کسی کوسجدہ کیا جاتا ہے؟ خدانے ہم کوآزمائش میں ڈالا ہے،ہم اس پر بھی خوش ہیں، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا مانگی کہ یا اللہ! اگرتو مجھے سوسال کی اورزندگی دےاورمیں اسی حالت میں بیماررہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ، میں تو تیری رضا کے ساتھ ہوں،جس طرح تو رکھنا چاہتا ہے میں اس پرخوش ہوں،اسی طرح صبر کے ساتھ میں راضی ہوں، یہ آزمائش ہے، چنانچہ اٹھارہ سال کے بعداللہ تبارک وتعالی نے حضرت ایوب علیہ السلام کوشفادی، آزمایا،صبر پر پورا پورا اتارا، وہ صبر پر رہے،اورکبھی بھی ان کی زبان سے ناشکری کے کلمات نہیں نکلے۔

صبر ہمارے اندر کچھ بھی نہیں :

ہمارے تو ذرا سا سر میں درد ہوجاوے،تو یہ کہتے ہوئے پھرتے ہیں کہ یار کیا بتلاؤں سر میں بہت درد ہے،صبح چائے بھی نہیں پی، ہاں بھائی السلام علیکم وعلیکم السلام کہ بھائی کیا حال چال ہیں؟ اجی بس ٹھیک ہیں،نزلہ بہت ہے،کھانسی بہت ہے،ہم آپس میں کیا کرتے ہیں، یہی شکوہ کرتے ہیں؟ ذرا سا کچھ ہوجائے ، اس کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالی نے بیس تیس چالیس سال تک ہمیں ٹھیک رکھا، یا چوبیس گھنٹے میں یا سال کے اکثر حصہ میں صحیح رہے؟ کبھی شکرادا نہیں کیا،کبھی کسی کونہیں بتلایا کہ الحمدللہ ہم صحیح ہیں ، الحمدللہ ہم صحیح ہیں،لیکن ایک دن اگر ذرا طبیعت خراب ہوگئی ، دوچھینکیں آ گئیں تو کیا ہوگا ؟ کہ کیا حال ہے بھائی؟ کہ بس کچھ نہیں برا حال ہے،چھینکیں آ گئیں، نزلہ بہت زبردست ہے،کھانسی بہت ہے،بس ہمت نہیں ہورہی ہے باہر نکلنے کی، فوراً شکوہ شکایات کرنے شروع کردیتے ہیں اوروہاں دیکھوحضرت ایوب علیہ السلام کو، اللہ کے پیغمبر ہوکر اٹھارہ سال کے اندر کبھی بھی زبان پرشکوہ نہیں آیا، کہا کہ اے اللہ اگرتو اسطرح راضی تو میں تیرے ساتھ راضی ہوں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، میں خوش ہوں، یہ ہے صبر کا مقام، پھراللہ تبارک وتعالی نے اٹھارہ سال کے بعدصحت دی اور صحت کے بعدان کی جتنا مال اورجتنی دولت تھی وہ بھی لوٹادی،اولا دبھی اللہ تبارک وتعالی نے دیدی،صحت اورتندرستی بھی دی۔

صبر کا پھل میٹھاہوتاہے:

صبر کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے،تو ہم لوگوں کو چاہئے کہ ہم لوگ صبر کواختیار کریں ، زندگی کے ہر ماحول میں، زندگی کے ہر موقع پر، اگر دینی لائن اختیار کرنے میں کوئی پریشانی آرہی ہے،اگر ہمیں نماز پڑھنے

کے لیے پانی ٹھنڈا مل رہا ہے،تو صبر کر کے وضو کیجئے، یہ تصور کیجئے کہ یہ تو پانی ٹھنڈا ہے لیکن قبر کے گڑھے کے اندر ڈالا جاؤں گا تو وہاں کی گرمی تیز ہوگی، جہنم میں ڈالا جاؤں گا تو آگ زیادہ سخت ہوگی، تو اس آگ کو اس ٹھنڈے پانی سے بجھانا ہے، اگر وضو کرنی ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، تہجد پڑھنا ہے، اور فجر کی نماز پڑھنی ہے تو یہ نہ سوچئے کہ پانی ٹھنڈا ہے، کیسے ہوگا؟ نہیں یہ سوچو کہ جہنم کی آگ کو اگر بجھانا ہے جو سخت ہے، اور جس کی تیزی اور جس کی سوزش اور جس کی چنگاری اتنی سخت اور تیز ہے کہ اگر اس کا معمولی سا حصہ دنیا میں دکھا دیا جائے، تو پوری دنیا بھسم ہو جائے وہ آگ ہے، تو وہ آگ اگر ٹھنڈی کرنی ہے تو ہمیں صبر کرنا ہے ٹھنڈے پانی پر، اگر مسجد میں دروازے نہیں ہیں، مسجد میں پردے نہیں ہیں، مسجد میں گدے نہیں ہیں تو ان پر صبر کر کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی ہے، صبر کے ساتھ گھر میں رہنا ہے، اگر ہمارے پاس ہلکا پھلکا گھر ہے، دال نہیں ہے، چٹنی ہے تو چٹنی کھا کر صبر کرنا ہے اور شکر کرنا ہے مولی کا، اگر ہمارے پاس اعلیٰ قسم کے کپڑے نہیں ہیں، معمولی قسم کے کپڑے ہیں، تو ان کو پہن کر صبر کرنا ہے، اور شکر کرنا ہے مولی کا کہ مولی تو نے جو دیا ہے تیرا شکر ہے، تو نے جو دیا ہے، ہم اس پر صبر کرتے ہیں، تو جس حال میں رکھتا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔

شکریہ ادا کرو گے تو صابر بن جاؤگے:

اگر کسی لنگڑے، لولے کو دیکھیں تو فوراً شکر کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائیں کہ اے پروردگار تو نے مجھے پیر تو دئے ہیں کم از کم، اس کو تو پیر بھی نہیں دئے، کسی نابینا کو دیکھیں تو اللہ کا شکر ادا کریں، کہ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے مجھے تو آنکھیں بھی دی ہیں، اس بیچارے کو تو آنکھیں بھی نہیں دیں، اسی طرح ہم تمام چیزوں پر اگر قیاس کریں گے، تو اللہ والے بن جائیں گے، اور جب اللہ والے بن جائیں گے، تو اللہ کی جتنی چیزیں ہیں وہ ساری ہماری ہوجائیں گی، یہ معمولی معمولی چیزیں ہیں، سمجھ میں ہم لوگوں کی نہیں آتی، اگر کوشش کریں، اگر فکر کریں اور صبر کے فائدہ کو پہچانیں، تو آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

صبر بہت بھاری کام ہے:

یہ سب مثالیں صبر کی اس لیے دی ہیں تا کہ صبر جو عظمت سمجھ میں آ جائے، صبر کو اللہ تعالی نے جو کہا "اِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" کہ بڑا بھاری کام ہے، بڑا بھاری اس اعتبار سے کہ اہم کام ہے، ہم لوگ بولتے ہیں کہ کوئی اہم کام ہے، تو جس کام کو قرآن اہم بتلائے تو وہ کتنا اہم ہوگا، ہم لوگ کہیں گے کہ بھائی پردھان جی کی بات کو اہمیت دے رہے ہیں، ایم ایل اے صاحب کی بات کو اہمیت دے رہے ہیں، ایم پی صاحب کی بات کو اہمیت دے رہے ہیں، ہمارے ہندوستان کے وزیر اعظم نے یہ بات کہی ہے، ارے بھائی معمولی بات نہیں ہے، انہوں نے کہی ہے، ٹی وی پر آئی، اخبار میں آئی، تو ان کی بات کو ہم اہمیت دے رہے ہیں، لیکن جو خالق کائنات، احکم الحاکمین، شہنشاہوں کا شہنشاہ وہ قرآن میں جس بات کو کہے کیا وہ اہم نہیں ہوگی؟ بلاشبہ اللہ تعالی کہہ رہا ہے "اِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" یہ صبر کرنا بڑا بھاری کام ہے، بہت مہتم بالشان کام ہے، عظیم کام ہے۔

دین پر عمل کرنے میں پریشانیاں آتی ہیں:

میرے دوستو! ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ہمیں دین کے اختیار کرنے میں، دین پر عمل کرنے میں دقتیں آئیں گی، پریشانیاں آئیں گی، تو صبر کرنا ہے، نماز پڑھنے میں دقتیں آئیں گی، اس لیے کہ پانچوں وقت مسجد میں آنا پڑے گا، اس پر صبر کرنا ہے، ٹھنڈے پانی میں وضو کرنی پڑے گی، اس پر بھی صبر کرنا ہے، رمضان میں سحری کے وقت اٹھنا، اٹھ کر وضو کرنا، سحری کھانا، اس پر صبر کرنا ہے، اور اگر رمضان دسمبر اور جنوری میں ہوجائے تو ٹھنڈی کی حالت میں تراویح پڑھنا اور سحری میں اٹھنا اس پر صبر کرنا ہے اور حج میں چلے جاویں، حج میں پانچ دن اور وہاں کی مشقتیں سب کو برداشت کرنا اور صبر کرنا ہے، غرضیکہ زندگی کے جتنے شعبے ہیں، ہر شعبے میں جو بھی پریشانی آئے نفس کے خلاف اس کو برداشت کرنا ہے، اس پر صبر کرنا ہے، مال اللہ تبارک وتعالی نے دیا ہے اس کی زکوۃ نکالنی ہے، اس کے بھی پیسے ادا کرنے ہیں، لوگ کہیں گے کہ

بھائی کم ہو جائیں گے، چالیس ہزار میں سے ایک ہزار نکالنے ہیں، یہ تو ایک ہزار کم ہو جائیں گے، صبر کرنا ہے، اس لئے کہ زکوۃ سے مال کم نہیں ہوتا ہے، مال کی گندگی نکل جاتی ہے، جیسے ہم لوگ چاول بناتے ہیں، پیچ نکالنے سے چاول صاف ہو جاتا ہے، ایسی ہی رس پکاتے ہیں اس کی ملائی نکل جاتی ہے تو صاف ہو جاتا ہے، ایسے ہی ہمارا جو مال ہے، اس مال کی زکوۃ نکال کر اس کی گندگی دور ہو جاتی ہے، چائے کو چائے کی چھلنی میں چھان کر اس کی گندگی نکالتے ہیں تو وہ صاف چائے ہو جاتی ہے، اسی طرح سے جو ہمارا مال ہے، وہ زکوۃ سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

بھنوں کو وراثت دینا یہ بھی صبر میں داخل ھے:

ہم لوگوں کے یہاں وراثت میں بہنوں کو حصہ نہیں دیا جاتا ہے، ہمارے یہاں یہ عام ماحول ہے، اصل قرآن کریم کا اصول ہے کہ اگر گھر میں میت نے ترکہ چھوڑا ہے، باپ کی وفات کے بعد عورتوں کا بھی حصہ بنتا ہے، بھائیوں کا بھی حصہ بنتا ہے، قرآن کھلے طور پر اعلان کر رہا ہے: "یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۡ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ" یہ آیت سورۂ آل عمران کی ہے، جس میں اللہ تعالی نے حقوق بیان کئے ہیں کہ اگر باپ مرے یا ماں مرے یا جو بھی مرے اس کے وارثین میں کس کو کتنا کتنا حصہ ملے گا، یہ قرآن نے صاف بتلا دیا، قرآن نے نماز کا حکم دیا ہے، لیکن طریقہ نہیں بتلایا، طریقہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، قرآن نے زکوۃ کا حکم دیا ہے، لیکن طریقہ نہیں بتلایا ہے، قرآن نے حج کا حکم دیا ہے، لیکن طریقہ نہیں بتلایا ہے، طریقہ حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، لیکن قرآن نے حقوق بتلائے ہیں، وارثین کے، حقوق بتلائے ہیں بہنوں کے، حقوق بتلائے ہیں بھائیوں کے، اس کو بیان کیا ہے تفصیل کے ساتھ، ہم عمل کر رہے ہیں نماز پر بھی، ہم عمل کر رہے ہیں حج پر بھی، حتی کہ جتنی بھی عبادتیں ہیں، سب کی تفصیل حدیث میں ہے، لیکن قرآن پر ہم پورا عمل نہیں کرتے ہیں، کیونکہ قرآن میں وراثت کی تقسیم کی تفصیل مذکور ہے، اگر تیس روپئے ہیں اور ایک بہن ہے اور ایک بھائی ہے تو بیس روپئے بھائی کے اور دس روپئے بہن کے ہیں، اسی طرح پورے اصول ہیں، حقوق میں ہمارا انصاف کام آئے گا، کل قیامت کے دن اس کا انداز ہوگا، کیونکہ ہم فطری طور پر لڑکے سے زیادہ پیار کرتے ہیں، کیونکہ عام طور سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ میرا لڑکا میرے مرنے کے بعد میری جائیداد کا مالک بنے گا، میرے بوڑھاپے کا سہارا بنے گا، اس لیے اس کی آؤ بھگت زیادہ ہوتی ہے اور اسی کو گھر اور جائیداد دی جاتی ہے، لیکن قرآن یہ کہہ رہا ہے جتنا تمہارے پاس مال ہے، اس کی تقسیم صحیح کرو، بچیوں کو بھی ان کا حق پورا پورا دو، یہ بات ذرا نفس پر گراں گزرتی ہے، مشکل معلوم ہوتی ہے، چونکہ رواج نہیں، مسئلہ معلوم نہیں، اگر معلوم ہے تو یقین نہیں، اس لیے اس پر بھی صبر کرنا ہے اور بہنوں اور لڑکیوں کے حقوق ادا کرنے ہیں۔

کل قیامت میں کوئی کام آنے والا نھیں ھے:

کیونکہ کل قیامت کے دن نہ تو تمہارا بیٹا کام آئے گا، نہ تمہاری بیٹی کوئی بھی کام نہیں آئے گا، اگر آیا تو تمہارا اعمال نامہ کام آئے گا جو کہ آپ نے دنیا میں انصاف سے کام کیا ہوگا، بس وہی کام آئے گا: "یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیۡهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیۡهِ الخ" قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے، کہ اس دن کوئی کام نہیں آئے گا، اس دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اگر حقوق کی پامالی کی ہوگی، یہاں پر حقوق ادا نہیں کئے ہوں گے، حقوق ادا کر کے تھوڑا سا صبر نہ کیا ہوگا تو جہنم کے گڑھے میں جانا ہوگا، اور وہاں ہمیشہ ہمیش کے لیے جلنا ہوگا، کیونکہ جہنم کا عذاب بہت سخت ہے: "اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ" اللہ کہتا ہے کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے، ہم موم بتی پر اپنی انگلی نہیں رکھ سکتے، چراغ کی لو کو نہیں چھو سکتے، ہلکی سی آگ پر اگر ہمارا ہاتھ چلا جاتا ہے، تو فوراً جل جاتا ہے، اور جب جل جاتا ہے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں، تو اللہ کی بنائی ہوئی آگ کا کیا حال ہوگا؟ جس میں جلنا ہوگا، اس لئے میرے دوستو! عقل سے کام لو، یہ چند دن کی زندگی اس کو داؤ پر مت لگاؤ، تھوڑی سی مصیبت اٹھا لو تو آنے والی زندگی کا تمہارے لیے بہت سستا سودا ہوگا، اللہ تعالی ہم کو صبر کرنے کی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ۞

نقطۂ نظر

تیسری اور آخری قسط

تفریح-اس کے جائز وسائل اور شرعی ضوابط

مولانا عبیداللہ ندوی دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ کھیل:

اسلام کے پسندیدہ کھیل تیراندازی، شمشیرزنی، گھوڑ دوڑ، پیدل دوڑ، اونٹ کی دوڑ میں مسابقت ہے، احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فضائل بیان فرمائے ہیں، اوراس کے سیکھنے کو باعث اجروثواب قراردیا ہے، کیونکہ یہ کھیل جہاں جسم میں نشاط وچستی، اعصاب میں پختگی اورنظر میں تیزی پیدا کرتے ہیں، وہیں آڑے وقت میں اپنی حفاظت اور جہاد کے موقع پرکافروں کے مقابلہ میں کام آتے ہیں، چنانچہ ترمذی، نسائی، مسندامام احمد وغیرہ کی معروف حدیث ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"کل شئی یلھو بہ الرجل إلا رمية بقوس وتأدبية فرسه وملاعبته إمراته فانهن من الحق" آدمی کا ہرکھیل باطل ہے،سوائے تین کے،تیراندازی کرنا، گھوڑاسدھارنا، اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کرنا، کیونکہ یہ تینوں کھیل حق میں سے ہیں،یعنی کارآمد ہیں، نیزحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "وأعدوا لهم مااستطعتم من قوه" میں "قوۃ" کی تفسیر تیراندازی سے کی اورتین مرتبہ فرمایا" ألا إن القوة الرمی،الرمئ ألا القوة الرمی ألا إن القوة الرمئ" سن لوطاقت وقوت تو تیراندازی میں ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع اور مسجد بنوزریق کے درمیان گھوڑدوڑ کرائی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازی اور شمشیرزنی، اونٹ اورگھوڑے وغیرہ کی دوڑ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے،موجودہ زمانہ میں گوئی چلانا، راکٹ،میزائیل، بم وغیرہ ٹھیک ٹھیک نشانوں پرلگانا بھی لفظ"رمی" میں داخل ہے، چنانچہ صاحب بذل المجہو دحضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے اس کی تصریح فرمائی ہے، لکھتے ہیں:"ولم يكن فی زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الحرب الا رمی السهام فيدخل بل يعوض عنه فيه مايرمی به من الرصاص بالبندوقية والمدافعة وغيره ذلك من آلات الحرب الجديدة المستعملة فی هذا الزمان فإنها أغنت عن رمی السهام بالقوس وعطلته" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جنگوں میں سوائے تیر کے کچھ نہیں تھا، لہٰذا موجودہ زمانہ میں جدید آلات حرب کاحکم وہی ہوگا جوآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تیرکا تھا، مثلاً بندوق،توپ چلانا اورجدید آلات حرب کااستعمال کرنا، اس لیے کہ ان چیزوں نے تیر سے بے نیاز کردیا ہے اوراس کا بالکل معطل کردیا ہے۔

اسی طرح جن کھیلوں سے جسمانی ورزش ہوتی ہے،قوی مضبوط ہوتے ہیں، اور بوقت ضرورت اپنی اوردوسروں کی جان بچانے میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے اور جہاد کی تربیت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو ان کے احکام بھی اسی طرح ہوں گے، جوگھوڑ دوڑ وغیرہ کے ہیں،مثلاً کراٹے، لاٹھی چلانا، مکابازی، کبڈی، فٹ بال، والی بال، گاڑیوں کی ریس، بمبار اورلڑاکا طیارے، ہیلی کاپٹر، بحری جہاز، ٹینک، بکتر بندگاڑیاں جیپ کار وغیرہ کی مشق، بشرطیکہ بہ نیت جہاداس کی مشق کی جائے اور یہ جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں مستحسن اور مندوب

ہوں گے۔

یہ تو چند وہ کھیل تھے جن کا احادیث و آثار میں باقاعدہ ذکر آیا ہے اس کے علاوہ باقی کھیلوں میں شرعی ضابطہ یہ ہے:

۱- جن کھیلوں کی احادیث و آثار میں صریح ممانعت ہے وہ ناجائز ہے، جیسے نرد، شطرنج، کبوتر بازی، جانوروں کو لڑانا وغیرہ۔

نیز موجودہ زمانے میں کرکٹ اور کیرم بورڈ، لوڈو وغیرہ کا حکم بھی مثل شطرنج ہوگا؛ کیونکہ ضروری اور حقیقی مسائل سے غافل کرنے میں یہ شطرنج سے بھی بڑھ کر ہیں۔

۲- جو کھیل کسی حرام اور معصیت پر مشتمل ہوں وہ بھی ناجائز ہوں گے، اگر چہ فی نفسہ وہ کھیل مباح ہوں، مثلاً کسی کھیل میں ستر کھولا جائے یا اس میں جوا کھیلا جا رہا ہو، یا مرد و زن کا مخلوط اجتماع ہو، یا اس میں موسیقی اہتمام کیا گیا ہو، یا اس کھیل میں کفار کی نقالی کی جا رہی ہو۔

۳- جو کھیل فرائض اور حقوق واجبہ سے غافل کرنے والے ہوں، وہ بھی ناجائز ہوں گے، کیونکہ جو چیز بھی انسان کو اس کے فرائض اور حقوق واجبہ سے غافل کرنے والی ہو، وہ 'لہو' میں داخل ہے، باطل ہے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الاستیذان میں باب قائم فرمایا ہے "کل لھو باطل إذا شغله عن طاعة اللّٰه" یعنی ہر لہو جب وہ انسان کو اللہ تعالی کی یاد اور اطاعت سے غافل کردے تو وہ باطل (گناہ) ہوگا، حافظ ابن حجر اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" أی کمن التهى بشئ من الأشياء مطلقا سواء كان مأذونا فى فعله او منهيا عنه، كمن اشتغل بصلاة نافلة أو بتلاوة أو ذكر أو تفكر فى معانى القرآن مثلاً حتى خرج وقت الصلاة المفروضة فإنه يدخل تحت هذا الضابط وإذا كان هذا فى الأشياء والرغب فيها المطلوب فعلها فكيف حال مادونها" اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کسی بھی چیز میں ایسی مشغولیت اختیار کرے جس سے (فرائض سے) غفلت پیدا ہو جائے، خواہ وہ چیز شرعاً جائز ہو یا ناجائز، مثلاً کوئی شخص عمداً نفل نماز، تلاوت قرآن، ذکر اللہ یا قرآن کے معانی میں غور و فکر میں ایسا مشغول ہو کہ فرض نماز کا وقت نکل جائے تو وہ اس ضابطہ کے تحت داخل ہے، یعنی ایسی صورت میں یہ نفل عبادت بھی ''لہو'' میں داخل ہوگی کیونکہ اس نے فرض نماز سے غافل کردیا، جب نفلی عبادت کا یہ حال ہے جن کے فضائل وارد ہیں اور شرعاً مطلوب بھی ہیں تو پھر اس سے کم درجہ کی اشیاء کا کیا حکم ہوگا؟ (یعنی جائز اشیاء تو بدرجہ اولی ناجائز ہوں گی جبکہ وہ حقوق و فرائض کی ادائیگی سے غافل کردیں)۔

۴- جس کھیل کا کوئی مقصد نہ ہو، بلا مقصد محض وقت گزاری کے لیے کھیلا جائے وہ بھی ناجائز ہوگا، کیونکہ یہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ایک ''لغو'' کام میں ضائع کرنا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں لکھتے ہیں:"وأما شرائط جوازه فأنواع منها أن يكون فى الأنواع الأربعة الحافر والخف والنصل والقدم لافى غيرها، لما روى أنه عليه السلام قال، لاسبق إلا فى خف أو حافر أو نصال إلا أنه زيد عليه السبق فى القدم بحديث سيدتنا عائشة رضى الله عنها ففيماوراء ه بقى على أصل النفى ولأنه لعب واللعب حرام فى الأصل إلا أن اللعب بهذه الأشياء وصار مستثنى من التحريم شرعا لقوله عليه السلام: كل لعبٌ حرام إلا ملاعبة الرجل امرأته وقوسه وفرسه ،حرم عليه السلام كل لعب واستثنى الملاعبة بهذه الأشياء المخصوصة فبقيت الملاعبة بما وراء ها على أصل التحريم إذا الاستثناء تكلم بالباقى بعدالشنيا، فصارت هذه الأنواع مستثناه من التحريم فبقى ماروا ء ها على أهل الحرمة ولأن الاستثناء يحتمل أن يكون لمعنى لايوجد فى غيرها وهو الرياضة والاستعداد لأسباب الجهاد فى الجملة وكانت لعبا ورياضة صورة وتعلم أسباب الجهاد فيكون جائزاً إذا استجمع شرائط الجواز ولئن كان لعبا لكن اللعب إذا تعلقت به عاقبة حميدة لايكون حراماً، ولهذا استثنى ملاعبة الأهل

لتعلق عاقبة حميدة بها، وهو التوالد والتناسل" اس کے (کھیل) کے جواز کی شرطوں کی کئی اقسام ہیں، اس میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حدیث میں مذکور چاروں اقسام میں سے ہو یعنی اونٹوں کی دوڑ، گھوڑ دوڑ اور تیراندازی اور پیدل دوڑ، ان کے علاوہ نہ ہو، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقابلہ (انعام کی شرط) صرف تین چیزوں میں جائز ہے، اونٹ دوڑ، گھوڑ دوڑ، تیراندازی، لیکن حضرت عائشہ کی حدیث کی بنا پر پیدل دوڑ کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، لہٰذا اس کے علاوہ جو کھیل ہیں وہ اصل نفی پر باقی رہیں گے، اور اس کے لیے وہ ''لعب'' ہے اور لعب اصلاً حرام ہے، سوائے مذکورہ بالا اشیاء کے کہ وہ حرمت شرعی سے مستثنیٰ کے گئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے، ہر کھیل باطل ہے، سوائے آدمی کا اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا، گھوڑ دوڑ، اور تیراندازی کے، اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھیل کو حرام قرار دیا سوائے ان مخصوص کھیلوں کے، لہٰذا اس کے علاوہ میں حرمت اصل پر باقی رہے گی، اس لیے کہ استثناء مابقیہ کے بارے میں تکلم ہوتا ہے، چنانچہ یہ چاروں اشیاء حرمت سے مستثنیٰ ہوگئے اور ان کے علاوہ بقیہ تمام چیزیں حرمت پر باقی رہیں، نیز یہ ممکن ہے کہ استثناء کسی خاص وجہ سے ہو جو دوسرے کھیلوں میں نہ پائی جاتی ہو، مثلاً ورزش، جہاد کی تیاری وغیرہ، تو اگر چہ وہ شکلاً کھیل ہے لیکن جب اس سے کوئی نیک انجام وابستہ ہوجائے تو پھر حرام نہیں ہوگا، اسی لیے بیوی سے ملاعبت کرنا حرام نہیں کیا گیا، کیونکہ اس سے اچھا انجام وابستہ ہے اور وہ توالد وتناسل ہے۔

البتہ وہ کھیل جو مذکورہ بالا خرابیوں سے پاک ہوں، ان کے کھیلنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، لیکن جہاں تک دور حاضر کے مروجہ کھیلوں کا تعلق ہے، تو ان میں مشترکہ طور پر درج ذیل خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

۱- کھلاڑیوں اور ان کھیلوں سے دلچسپی رکھنے والوں کا انہماک اتنا بڑھ گیا ہے کہ ضروری کاموں پر اسے ترجیح دی جاتی ہے، جس سے بسا اوقات بندوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔

۲- ان کھیلوں میں عموماً فرض نمازوں کے اوقات جمعہ کے مبارک دن، رمضان کے فرض روزوں تک کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے، جب کہ یہ ایک مسلمان کے لیے فرض عین ہے۔

۳- ان کھیلوں میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔

۴- اکثر کھیلوں میں ''ستر'' کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے جن حصوں کو شرعاً ڈھانپنا ضروری ہے، ان پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

۵- اکثر کھیلوں میں مرد وزن کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، اور چونکہ مرد وعورت محض تفریح کے لیے اور کھیل برائے کھیل کی نیت سے جمع ہوتے ہیں، اس لیے ہوٹنگ، ڈانس، گانا اور دیگر نازیبا حرکتیں کھلے عام کرتے ہیں۔

۶- ان کھیلوں میں جو محض تفریح طبع کے لیے ہونے چاہئے، اب ایسی محاذ آرائی اور ذہنی تناؤ ہونے لگا ہے کہ جس سے ان کھیلوں کا مقصد ہی فوت ہوگیا ہے، اب کھیل کے میدان کو محاذ جنگ سمجھا جاتا ہے، اس کی ہار جیت کو قومی شکست اور قومی فتح سے تعبیر کیا جاتا ہے، میچوں کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں اور نذریں مانی جاتی ہیں، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ سربراہان مملکت اس سلسلہ میں تعزیتی وتہنیتی پیغامات جاری کرتے ہیں، اور اب تو اخبارات میں یہ خبریں بھی شائع ہونے لگی ہیں کہ فلاں میچ کا دیکھنا بلڈ پریشر اور دل کے مریضوں کے لیے مناسب نہیں ہے، اور یہ کہ فلاں میچ میں اتنے سامعین وناظرین کو دل کا دورہ پڑنے سے مرگئے۔

۷- ان کھیلوں میں بسا اوقات جوا کھیلا جاتا ہے، شرطیں بدی جاتی ہیں، اور لاکھوں بلکہ کروڑوں روپئے کی رقوم ان میں ہاری جیتی جاتی ہیں، اور بعض دفعہ سامعین وناظرین آپس میں شرطیں لگاتے ہیں، انہیں وجوہات کی بنیاد پر موجودہ کھیلوں کو ناجائز کہا جاتا ہے، ورنہ فی نفسہ بعض کھیلوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

❁❁❁ ❁❁❁

اکتسابِ نفس

توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً"۔(سورۂ تحریم رکوع ۲۰)

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" یایھا الناس توبوا الی اللّٰہ"اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ کے معنی:

توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں، یعنی خدا تعالیٰ سے دور ہونے کے بجائے خدا تعالیٰ سے قریب ہونا۔

توبہ کی حقیقت:

گناہ یاد کر کے خوف خدا کا اتنا غلبہ ہونا کہ دل تڑپ اٹھے، آنکھیں اشکبار ہو جائیں، قلب پرنور معرفت کی شعائیں پھیلنے لگیں اور یقین کامل حاصل ہو جائے کہ گناہ سم قاتل اور تباہ و برباد کرنے والی شئ ہے، لہٰذا اس کی تلافی اور اس کے چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لینا ضروری ہے۔

صاف دل کی توبہ:

صاف دل کی توبہ یہ ہے کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے، اگر توبہ کے بعد ان ہی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھ لو کہ توبہ میں کچھ کمی رہ گئی ہے، اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔

ضرورت توبہ:

توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر ارشاد فرماتے ہیں" وتوبوا الی اللّٰہ جمیعاً ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون"۔(سورہ نور، رکوع نمبر ۱۰)

اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو! تا کہ تم بھلائی پاؤ۔(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لیے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہئے اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے، چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اخروی زندگی کے لئے سم قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرے اور یہ ایمان کا جز ہے، اس لیے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا ظاہر ہے۔

توبہ کی قبولیت کے لیے شرط:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان اللّٰه یتوب علیه ان اللّٰه غفور رحیم"۔(سورہ مائدہ رکوع نمبر ۱۰)

پھر جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے پیچھے اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے اس کی توبہ، بیشک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی توبہ اگر ٹھیک ٹھیک طرح کی شریعت کے مطابق، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر دیئے یا معاف کرا لئے" واصلح" اور آئندہ کے لیے اعمال کو درست رکھے، یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے، اور اپنی توبہ پر قائم رہے، تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے کہ توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرمائیں گے اور استقامت علی التوبہ سے مزید عنایت فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کس بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں؟:

انما التوبة علی اللّٰه للذین یعملون السوء بجهالة ثم

یتوبون من قریب فاولئك یتوب الله علیهم و کان الله علیما حکیما"۔(سورہ نساء رکوع نمبر۱۴)

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور تو ان کی ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے، پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے، تو ان کو اللہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے، حکمت والا ہے۔(ترجمہ شیخ الہند)

آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنے فضل سے قبول توبہ کا ذمہ لے لیا ہے وہ اصل میں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر لیتے ہیں، مگر جب اپنی خرابی پر متنبہ اور مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہوتے ہیں، اور توبہ کرتے ہیں، سو ایسوں کی خطائیں اللہ ضرور معاف فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، اس کو معلوم ہے کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی اور حکمت والا ہے جس توبہ کا قبول کر لینا موافق حکمت ہوتا ہے، اس کو قبول کر لیتا ہے، آیت میں لفظ جہالت اور لفظ قریب سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص گناہ تو کرے نادانی سے اور تنبیہ کے بعد توبہ کرے جلدی سے، تو با قاعدہ عدل وحکمت اس کی توبہ مقبول ہونی ضرور ہے اور جس نے جان بوجھ کر دیدہ ودانستہ اللہ کی نافرمانی پر جرأت کی یا اطلاع کے بعد اس نے توبہ میں تاخیر کی اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو با قاعدہ عدل وانصاف اس کی خطا اصل میں معافی کے قابل نہیں، اس کا قبول کر لینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے، یہ اس کا احسان ہے۔

کن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی؟:

"ولیست التوبہ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الئن و لا الذین یموتون وھم کفار" اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام، یہاں تک جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کی موت، تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی توبہ جو مرتے ہیں حالت کفر میں، ان کے لیے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک۔(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کئے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے، یہاں تک کہ جب موت ہی نظر آ گئی تو اس وقت کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی، جو کفر پر مر گئے، اور اس کے بعد عذاب اخری دیکھ کر توبہ کریں، ایسے لوگوں کے لیے عذاب شدید تیار ہے، حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں۔

غزوہ تبوک اور قبول توبہ کا عجیب وغریب واقعہ:

تبوک شام کا ایک مشہور شہر ہے سن ۹ ہجری میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم ہرقل ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے تیار کر رہا ہے، اور کئی لاکھ نبرد آزما فوجی بھرتی ہو چکے ہیں، مسلمانوں کے لئے یہ وقت بہت ہی کٹھن تھا، سرزمین حجاز میں قحط پڑا ہوا تھا، زمین پیداوار سے خالی، نہریں تالاب خسک، گرمی شدید تھی، باغوں میں کھجوریں پک رہی تھیں، سخت آزمائش کا وقت تھا سینکڑوں میل کی راہ باد سموم اور تپتے ہوئے ریت سے واسطہ مگر فدا کاران اسلام عیش دنیا اور مصائب موسم سے بے پرواہ اور بے خوف ہو کر پروانہ وار اسلام پر نثار ہونے کے لیے مدینہ منورہ میں جمع ہو رہے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام دستور کے خلاف اصل حقیقت کا اعلان کرا دیا تا کہ جو شخص بھی اس وادی پر خار میں قدم رکھے، سوچ سمجھ کر رکھے۔

غزوہ تبوک پہلا غزوہ ہے جس میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے لیے مالی امداد کی ترغیب دی، چنانچہ صحابہ کرام نے مالی امداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، حضرت عثمان نے دس ہزار دینار تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی خدایا تو عثمان سے راضی ہو جا، اس لئے کہ میں اس سے راضی ہوں، حضرت عمر نے اپنا نصف مال پیش کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سواوقیہ چاندی، حضرت عاصم بن عدی نے ساٹھ وسق کھجوریں پیش کیں، اور حضرت عباس اور حضرت طلحہ نے زر کثیر پیش

کیا، عورتوں نے بھی اپنے حوصلہ سے زیادہ زیوارت پیش کئے حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق نے تو اپنا کل مال ہی اسلام پر قربان کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ابوبکر! تم اپنے اہل وعیال کے لیے بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں، سبحان اللہ۔

غرض ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم الشان تیاریوں کے ساتھ بجانب تبوک روانہ ہوئے، ادھر ہرقل کو بھی جاسوسوں نے خبر کر دی، ہرقل یہ خبر سنتے ہی ہوش وحواس کھو بیٹھا، خدا کی قدرت اسلامی لشکر کے پہنچنے سے قبل ہی رومی لشکر منتشر ہو گیا، سرور انبیاء علیہم السلام کامرانی کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

آزمائش کا وقت صحابہ کی عذر خواہی اور ندامت:

منافقین غزوہ میں عدم شرکت کے جھوٹے اعذار پیش کرتے رہے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے جماعتی نظام کی مصالح کے پیش نظر ان سے درگزر فرمایا مگر عذر خواہ جماعتوں میں تین اشخاص مخلص اسلام میں سے تھے اور وہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جیسی ہستیاں تھیں، انہوں نے منافقین کی طرح حاضر ہو کر کذب بیانی سے کام نہیں لیا اور صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم اپنی کاہلی سے شریک غزوہ نہیں ہو سکے۔

معاشرتی مقاطعہ اور خدا کے فیصلے کا انتظار:

یہ تینوں حضرات اسلام کے فدائی اور اخلاص کے پیکر اور عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس لیے ان کا معاملہ منافقین کا سا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ نظام جماعت کی خلاف ورزی کر گزریں اور جہاد جیسے عظیم ترین رکن ملت کو محض کاہلی اور سستی پر قربان کر دیں اور پھر ان کو معمولی معذرت پر معاف کر دیا جائے، اس لیے ضرورت تھی کہ اس معاملہ میں ایسا فیصلہ دیا جائے کہ آئندہ کسی مخلص مسلمان کو ایسی غلط کاری اور نظام کی خلاف ورزی کی جرأت نہ ہو سکے، چنانچہ ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے سچ سچ بات کہہ دی، اب جاؤ اور خدا کے فیصلے کا انتظار کرو۔

اسلام پر مرمٹنے والے یہ تینوں حضرات اس کے حکم کے بعد گھر واپس آ گئے اور آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو حکم فرما دیا کہ ان تینوں سے کلام سلام ترک کر دیا جائے، چنانچہ تمام مسلمانوں نے ان کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا۔

ضبط ونظم کی عدیم النظیر مثال اور حضرت کعب کی حالت دگرگوں:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ اس واقعہ نے ہم تینوں پر جو کچھ اثر کیا اس کا اندازہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، میرے دونوں رفیقوں پر تو اس درجہ اثر پڑا کہ انہوں نے باہر نکلنا ہی ترک کر دیا، مگر میں سخت جان تھا، برابر نمازوں کے اوقات میں مسجد نبوی میں حاضر ہوتا رہا، جب میں مسجد میں حاضر ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور دیکھتا رہتا کہ لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں، مگر بدقسمتی اور محرومی کے سوا کچھ نہ پاتا، البتہ یہ محسوس کرتا تھا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری جانب دیکھتے رہتے اور جب میں فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہوتا تو میری جانب سے رخ مبارک پھیر لیتے تھے؛ لیکن اس تمام واقعہ میں مسلمانوں کی اسلام دوستی اور امر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر امتثال و والہانہ استقامت کا یہ حال تھا کہ جب میں لوگوں کی اس سختی سے اکتا گیا تو ایک روز اپنے سب سے محبوب عزیز اور چچازاد بھائی ابوقتادہ کے پاس گیا جو اس سے قبل مجھ پر جان چھڑکتا اور میرا عاشق وجانثار تھا، میں نے اس کو سلام کیا، مگر قسم بخدا اس نے کوئی جواب نہیں دیا، میں اس حالت کو دیکھ کر تڑپ گیا اور ابوقتادہ سے کہا میں خدا کی قسم دے کر تجھ سے دریافت کرتا ہوں، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں اور میں عاشق خدا اور عاشق رسول ہوں، ابوقتادہ پھر بھی خاموش رہا، میں نے دومرتبہ پھر اس بات کو دہرایا مگر اس نے سکوت ہی اختیار کیا، آخر تیسری مرتبہ صرف یہ کہہ کر چپ ہو گیا، خدا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا

ہے، یہ سن کر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا اور میری آنکھیں ڈبڈبا آئیں کہ اللہ اکبر۔

یہ معاملہ صرف یہی تک ختم نہیں ہوا؛ بلکہ چالیس دن گزرنے پر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان تینوں کی رفیقہ حیات کو بھی چاہئے کہ وہ شوہروں سے مقاطعہ کرکے الگ ہوجائیں، چنانچہ ان اللہ کی بندیوں نے ہمارے ساتھ قلبی تعلق کے باوجود حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم سمجھا اور اپنے میکے چلی گئیں، البتہ ہلال بن امیہ کی رفیقہ زندگی نے دربار رسالت میں جاکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بہت بوڑھے ہیں، ان کی خدمت گزار صرف میں ہی ہوں، اگر وہ میری خدمت سے محروم ہوگئے تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اب کیا حکم ہے، فرمایا خدمت کرتی رہو، باقی تعلقات کو سردست منقطع کردو، یہ سن کر اس نے سر تسلیم خم کردیا، اللہ اللہ! یہ ہے سچی شان انقیاد اور اطاعت خدا اور سول۔

عشق رسول اور صداقت اسلام کا حیرت انگیز معیار:

کعب بن مالک کا چالیس دن سے مقاطعہ ہے، غیروں کا تو ذکر ہی کیا قریبی عزیز رشتہ دار حتی کہ رفیقہ حیات بھی اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر پروانہ وار نثار ہوتے ہوئے کعب کا مقاطعہ کئے ہوئے ہیں، گویا اس طرح کعب پر خدا کی زمین تنگ ہوگئی اور وہ اس مایوسی اور حیرانی کی حالت میں مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے کہ اچانک شام کا ایک قاصد پکارتا ہوا نظر آیا وہ کہہ رہا تھا مجھے کوئی کعب بن مالک تک پہنچادے، لوگوں نے اشارے سے بتایا وہ کعب جارہے ہیں، قاصد آگے بڑھا اور شاہ غسان کا خط پیش کیا، اس میں لکھا تھا:

امابعد! معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر ظلم کر رکھا ہے، تم فوراً یہاں چلے آؤ، ہم تمہاری خاطر خواہ عزت کریں گے، حضرت کعب کو خط پڑھتے ہی سخت رنج وملال ہوا، اور خط تنور میں جھونک کر قاصد سے کہا، یہ تیرے بادشاہ کے خط کا جواب ہے اور دربار رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا شاہ دوسرا آپ کا اعراض اس درجہ کو پہنچ گیا کہ اب مشرکین مجھے پھسلانے کی جرأت کرنے لگے۔

غرض اسی طرح پچاس راتیں گزر گئیں اور ہماری محرومی کی گرہ نہ کھلی اور ارشاد خداوندی کے بموجب خدا کی زمین وسیع ہونے کے باوجود ہم پر تنگ ہوگئی اور اپنی جان وبال نظر آنے لگی، ایک دن صبح کی نماز کے بعد سلع پہاڑی کی چوٹی سے ایک پکارنے والے نے پکارا اے کعب! بشارت ہو، میں تو انقلاب حال کا منتظر ہی تھا، فوراً سمجھ گیا کہ دربار الٰہی میں توبہ قبول ہوگئی، اب کیا تھا مسرت وخوشی سے پھولا نہ سمایا، اور وہیں سجدہ میں گرگیا، اب جوق در جوق لوگ آرہے ہیں اور قبول توبہ کا مژدہ سنارہے ہیں، رفیقہ حیات کی جانب سے بھی مبارک باد پیش کی جارہی ہے، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، راہ میں مبارک بادیوں اور بشارتوں کے پھول برسائے جارہے تھے، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور مجھ سے مصافحہ فرمایا اور مبارک باد پیش فرمائی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ قبول توبہ آپ کی جانب سے یا خدا کی جانب سے ہے، فرمایا میری جانب سے نہیں خدا تعالی کی جانب سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب مرحمت فرمایا اور رخ انور چاند کی طرح روشن نظر آنے لگا، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میرے اس معاملہ میں رنج وغم کے ہر دو رفقاء کا بھی مسرت وخوشی سے یہی حال ہوا اور ہماری قبول توبہ پر جو آیات فضل نازل ہوئی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ان کی تلاوت فرمائی، نیز حضرت کعب بن مالک نے اپنا واقعہ نہایت شرح وبست سے عجیب مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

توبہ سے گناہوں کی معافی:

حدیث شریف میں ہے "التائب من الذنب کمن لاذنب لہ" گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

گناہ گارو سن لو!:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالی رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا

ہے،تا کہ رات کا گناہ کرنے والا توبہ کرے جب تک آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع نہ ہو،ایسا ہی ہوتا رہے گا قیامت تک۔(مسلم شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے ابن آدم جب تک تو مجھ سے دعا مانگے گا اور امید رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا،خواہ تیری کچھ بھی حالت ہو اور میں پرواہ نہیں کرتا اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں کو پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں تیری مغفرت کروں گا،اے آدم کے بیٹے اگر تو میرے پاس زمین بھر کر گناہ لائے اور پھر مجھ سے اس حالت میں ملے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو میں تیرے پاس زمین بھر کر مغفرت لاؤں گا۔(ترمذی شریف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل پر زنگ آجاتا ہے اس لیے میں اللہ سے دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے پاک ہونا ایک مسلم مسئلہ ہے،پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرمار ہے ہیں،جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے تو ہم کس شمار میں ہیں،اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے کہ توبہ ٹوٹ جائیگی،جب توبہ ٹوٹ جائے پھر فوراً دوبارہ کرلیں۔

گنہ گاروں چلے آؤ:

دنیا کے انسان اپنے مجرم کو پکڑواتے ہیں،تھانہ میں رپورٹ درج کرا کے دبش ڈلواتے ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے سزا دلوانے کی کوشش کرتے ہیں،مگر اللہ رب العزت اپنے گنہ گار بندوں کو اعلان کر کے بلاتے ہیں،فرماتے ہیں اے گنہ گاروں اگر تم سے جرم ہوگیا ہے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں میرے دربار میں آجاؤ،میں تمہیں معاف کردوں گا،انسان اپنے مجرم کو سزا دلوا کر خوش ہوتا ہے اور غفور رحیم اپنے مجرم کی توبہ قبول کر کے اور معاف کر کے خوش ہوتا ہے۔

بخشش کی خوشخبری سنادو:

خدا تعالی کی صفت رحمت اور مغفرت سب سے وسیع ہے،بخشش کا دریا جوش میں ہے،اور گنہ گاروں کے گناہ دھونے کے لیے موج سی ہے،اللہ تعالی کی رحمت اور مغفرت کی موجیں گناہوں کو بہالے جائے گی،اس لئے گناہ گاروں جلدی کرو،توبہ کرو اور اللہ تعالی کی رحمت ومغفرت سے اپنی جھولیاں بھرلو،اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں"نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم" اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندوں کو خبردار کردو کہ میں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنیوالا ہوں،ایک صاحب دل بزرگ اس مضمون کو انوکھے انداز میں بیان کیا ہے:

بازآ،بازآ ھرآنچه هستی باز آ
گر کافروگیروبت پرستی بازآ
این درگه ما درگه نومیدنیست
صدبار اگر توبه شکستی باز آ

ہماری درگاہ کی طرف ضرور واپس آو،جو کچھ بھی تم ہو واپس آؤ،اگر کافر وبت پرست ہو تو بھی واپس آؤ،یہ ہماری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے،سینکڑوں بار اگر توبہ توڑ چکے ہو تو بھی واپس آؤ،اور توبہ کرو،ہم قبول کریں گے۔

گنہ گاروں مایوس نہ ہو:

اللہ جل شانہ کس پیارے انداز سے کہہ کر فرمار ہے ہیں:"قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، ان الله یغفر الذنوب جمیعا، انه هوالغفور الرحیم" ۔(سورہ زمر پارہ ۲۴رکوع ۳)

کہہ دے اے میرے بندو! جنہوں نے کم زیادتی کی ہے اپنی جان پر آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے،بیشک اللہ بخشتا ہے سب گناہ،اور وہی ہے گناہ معاف کرنے والا مہربان۔(ترجمہ شیخ الہند)

یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو ودرگزر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفاء کا حکم رکھتی ہے،مشرک،ملحد،زندیق،مرتد،یہودی،نصرانی،مجوسی،بدعتی،بدمعاش،فاسق وفاجر کوئی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہوجائے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے

کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ تعالی جس کا چاہے سب گناہ معاف کرسکتا ہے ،کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑسکتا، پھر بندہ ناامید کیوں ہو۔

توبہ کا طریقہ:

توبہ بحسب معصیت ہوتی ہے، مثلاً ترک نماز سے توبہ کے لیے ضروری ہے کہ نمازیں قضا شدہ ادا کرے، اسی طرح روزہ وغیرہ کی قضا کرے اور جو حقوق العباد واجب الاداء ہیں ان کو ادا کرے یا معاف کرائے، حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی خطایا گناہ کر بیٹھے اور توبہ کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالی کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے اور یوں عرض کرے: "اللّٰھم انی اتوب الیك منھا لاارجع الیھا ابدا" اے اللہ میں آپ کے حضور میں گناہوں سے توبہ کرتا ہوں پھر کبھی ان کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ (حاکم عن ابی الدرداء)

نماز توبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص گناہ کرے پھر کھڑا ہو اور طہارت حاصل کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ سے اس گناہ کی مغفرت چاہے، تو اللہ تعالی مغفرت فرمادیں گے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ کہنے لگا کہ ہائے میرے گناہ، ہائے میرے گناہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم یوں کہو: " اللّٰھم مغفرتك اوسع من ذنوبی ورحمتك ارجی عندی من عملی" اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے بہت زیادہ وسیع ہے، اور تیری رحمت میرے نزدیک میرے عمل سے خوب زیادہ بڑھ کر لائق امید ہے۔

اللہ کے بندوں توبہ کرنے میں جلدی کرو:

توبہ کرنے والوں کے لیے رحمت کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، غفار کے سامنے رونا، آنسو بہانا، دریائے مغفرت ورحمت کو جوش لے آتا ہے۔

❁❁❁❁

(بقیہ صفحہ ۲۸ رکا) اور اس غریب کی حمایت میں جھوٹی شہادت دے بیٹھتا ہے، چنانچہ قرآن نے ان تمام وجوہات کی جڑیں کاٹ دی اور واضح لفظوں میں فرمان صادر کیا کہ سچی شہادت ہی دو، چاہے وہ کسی کے خلاف ہو، تمہارا باپ سامنے ہے یا کوئی مالدار یا غریب، یہ نہ ہو کہ والدین کی مروت، رشتہ داروں کی چاہت، غریبوں کی غربت اور مالداروں کی وحشت تمہارے دلوں کو متزلزل کردے اور ان سب کی بھلائی کے لئے ان کے حق میں جھوٹی شہادت دے دو، ان بنیادوں کو یک لخت مسترد کرتے ہوئے خداوند قدوس نے کہا کہ ان کی طرفداری سے بدر جہا بہتر ہے کہ تم اللہ کے واسطے ہی سچی شہادت دو۔

گزشتہ صفحات کے کسی مضمون میں بالتفصیل یہ گفتگو ہوئی کہ ووٹر کی ایک حیثیت گواہ کی بھی ہے، یعنی جب کوئی فرد امیدوار بن کر سیاسی میدان میں آتا ہے تو جیت کے لئے عوام (ووٹرس) سے شہادت طلب کرتا ہے، اب ووٹرس (جسے سچی شہادت دینا از روئے قرآن وانصاف ضروری ہے) کو دیکھنا ہے کہ تمام امیدوار میں سیاست کے تئیں کس امیدوار کے اندر بہترین اوصاف ہیں، کس امیدوار کا دعویٰ صحیح ہے کہ وہ اہل ہے، جس کسی کے بھی اندر اہلیت کے اوصاف ہیں دراصل وہی ووٹرس کے ووٹ کا حق دار ہے، اب ووٹرس کے لئے ضروری ہے کہ اسی اہل فرد کا انتخاب کرے، اب اگر کبھی ایسی صورتحال ہو کہ بے شمار امیدوار میں سے کوئی ووٹر کا باپ ہو اور اس کے اندر اہلیت کے اوصاف نہیں، اسی طرح کوئی مالدار ہو کہ غریب اور وہ بھی اہلیت کی کسوٹی میں کھوٹا ہے، اگر ووٹر جانبدار بن کر اس کی حمایت کر بیٹھے تو اس کا یہ عمل سچی شہادت کے خلاف ہوگا، اس کا مطلب یہی ہوگا کہ کسی نااہل نے گواہی طلب کی اور اس کے رشتہ دار ووٹر نے گواہی دے دی۔

یہ ہے قرآن کی روشن تعلیم کہ عدل قائم کرنے میں کسی رشتہ داری کی کوئی پرواہ نہیں، جس قرآن کا یہ فرمان ہے کہ والدین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو سچی شہادت ضروری ہے، بھلا وہ قرآن کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ کوئی غیر کسی غیر کے لئے جھوٹی شہادت دے، کسی دوسرے کیلئے جانبدار بنے۔

❁❁❁❁

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: علم اور دعوت

نام مؤلف: مولانا محمد آصف قاسمی ندوی

صفحات: ۳۲۰ / قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ البلاغ دیوبند

پیش نظر کتاب ''علم اور دعوت امر بالمعروف کے ساتھ اصلاح منکرات کی تاکید'' مولانا محمد آصف صاحب قاسمی ندوی خلف الصدق حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مہتمم جامعہ کاشف العلوم چھٹملپور کی ایک شاہکار کتاب ہے، جس میں مختلف موضوعات سے متعلق ۴ / باب ہیں۔

پہلے باب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت و وقعت اور اہم شرط، حصول علم کا بیان ہے، دوسرے باب میں ۲ / فصلیں ہیں: پہلی فصل میں منکر کی حقیقت، نہی عن المنکر کی فضیلت و وعیدوں کے بیان ہیں، دوسری فصل میں منکرات عامہ کا بیان ہے، جس میں ستائیس منکرات ہیں، تیسرے باب میں نہی عن المنکر کرنے کے اصول اور ضوابط بیان کئے ہیں، اور چوتھے باب میں خود احتسابی کا بیان کیا ہے، اس طرح ہر موضوع پر ماشاء اللہ قرآن و حدیث اور علماء امت کے اقوال کی روشنی میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، کتاب کی زبان شستہ، سلیس اور آسان ہے، مضامین عام فہم، دلوں کو اپیل کرنے والے ہیں، وعظ و نصیحت کرنے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے لیے بھی خاصے کی چیز ہے، امید ہے کہ قارئین اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔

نام کتاب: امامت، فضائل، اہمیت، ذمہ داری

مرتب: مولانا مرغوب احمد لاجپوری

صفحات: ۶۴ /

پیش نظر کتاب مولانا مرغوب احمد لاجپوری ڈیوزبری (یوکے) کی ترتیب کردہ ایک اچھی کتاب ہے، جس میں امامت کے فضائل، اس اہم منصب کی ذمہ داری، امام کے لیے مفید ہدایات اور کچھ ضروری امور کو جمع کیا گیا ہے، اسلام میں منصب امامت کی بڑی اہمیت ہے، یہ ایک باعزت، باوقار اور باعظمت اہم دینی شعبہ ہے، یہ مصلّٰی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلّٰی ہے، امام نائب رسول ہوتا ہے، امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد اور ایلچی ہوتا ہے، اس لیے جو سب سے بہتر ہو، اسے امام بنانا چاہئے، اس رسالے میں امامت کی اہمیت و فضائل اور ذمہ داری بیان کی گئی ہے، ائمہ حضرات کے لیے خاصے کی چیز ہے۔

مختصر اور سہل اور آسان زبان میں ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائے، ناشر کا کوئی پتہ نہیں، اس لیے حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔

نام کتاب: حجۃ الوداع

نام مؤلف: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن پالن پوری

صفحات: ۳۴ /

ناشر: دار العلوم امدادیہ گڑھی، یمنا نگر، ہریانہ

پیش نظر کتاب ''حجۃ الوداع''، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی حج مولانا حفظ الرحمٰن کا ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الوداعی حج کی پوری تفصیلات موجود ہیں، یہ رسالہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت جامع اور اہم ہے ''بقامت کہتر، بقیمت بہتر'' کا مصداق ہے، حجۃ الوداع کا حیات طیبہ میں اور اسلام کی تاریخ میں ایک اہم مقام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں تمام مسائل اور مقامات حج کو واضح طور سے بیان فرمانے کے علاوہ متعدد ایسے معاشرتی اور دینی احکام بیان فرمائے جو دستاویزی حیثیت کے حامل ہیں، اس لیے یہ رسالہ بہت مفید ہے۔

مراسلات

MarkazuIhyailFikrilIslami,Muzaffarabad,Saharanpur(u.p)

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی حفظہ اللہ

چیف ایڈیٹر ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘مظفرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج سامی بخیر ہو۔

عرض ہے کہ والد گرامی حضرت قاری شریف احمد قدس سرہ بانی ومدیر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی حیات وخدمات پر مشتمل مضمون میں آپ نے اپنی ہمہ جہت دینی وعلمی مصروفیات کے علی الرغم جن گرانقدر تاثرات کا اظہار فرمایا ہے وہ آپ کے حسن عقیدت ومحبت کی ایک مثال ہے:

جزاکم اللہ خیرا فی الدارین و بارك اللہ فیکم برکۃ عظیمۃ

بندہ بصمیم قلب آپ کا بے حد ممنون ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے جملہ مقاصد حسنہ کی توفیقات سے مالا مال فرمائے، امید کہ حسب سہولت جامعہ میں اپنی تشریف آوری سے شکر گزار فرمائیں گے۔ والسلام

خالد سیف اللہ عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

محترم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طویل عرصہ کے بعد آپ نے یاد فرمایا ’’نقوش اسلام‘‘ کا نومبر کا شمارہ کل ہمدست ہوا، محکمہ ڈاک کی مہربانی کہ دیر سے سہی رسالہ پہنچا یا ضرور، ورنہ بہت سارے خطوط ورسائل غائب ہوجاتے ہیں۔

اس شمارہ میں قلم کار حضرات کے نام آپ کی اپیل پڑھ کر قرآن حکیم کی روشنی میں تحریر کردہ ایک مختصر مضمون ارسال کر رہا ہوں، محسوس ہوتا ہے کہ اچھے لکھنے والے اچھے جرائد کے ساتھ بے اعتنائی برت رہے ہیں، خیر! آپ ان مسائل سے بہتر واقف ہیں، میں نے طے کیا ہے کہ مقامی اخبارات ورسائل کے کوٹے سے وقت بچا کر قومی سطح کے جرائد کے لیے پہلے کی بہ نسبت زیادہ لکھوں، اس لیے آئندہ بھی انشاء اللہ تعاون کرتا رہوں گا، بشرطیکہ آپ کے لئے قابل قبول ہو، آپ کو اپنی گوناگوں مصروفیات سے فرصت ہو تو جواب سے نوازئے گا، ایک ناچیز مشورہ یہ ہے کہ رسالہ کے ٹائیٹل پر بیچ میں ماہ اشاعت ڈلوایئے گا۔ خیر اندیش

سید اطہر اورنگ آبادی

مؤظف چیف کمرشل انسپکٹر ریلوے، اورنگ آباد

ذوالمجد واالکرم فائز المرام قابل صد احترام، مجمع اخلاق ومنبع علوم ومعارف، نازش قلم، ادیب واریب

حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تسلیمات وآداب کے بعد عرض خدمت اقدس اینکہ کئی مہینوں سے تسلسل کے ساتھ نقوش اسلام اپنی تمام تر رعنائیوں کو لئے ہوئے مدرسہ دار العلوم ابوبکر صدیق میں جلوہ فگن ہوتا ہے، اس کا ہر مضمون پوری مستعدی کے ساتھ حصول علم کی غرض سے نور چشم بنا کر نگاہ قلب سے لگائے رہتا ہوں، مضامین فکر ونظر کو بالیدگی اور قلب وجگر کو جلا بخشتے ہیں، مضامین کی جامعیت ومعنویت قابل تحسین وتعریف ہے، خصوصاً حضرت والا کا اداریہ تو دل کی گہرائیوں کو چھو دیتا ہے، آپ کی تحریر میں بڑی شگفتگی، متانت وسنجیدگی اور بانکپن پایا جاتا ہے، قلم میں روانی وجاودانی محسوس ہوتی ہے، جس سے آپ کے سوز دروں، وسعت نظری وسلامتی فکر مترشح ہوتی ہے۔

حسب معمول ماہ دسمبر ۲۰۱۱ء کا شمارہ اپنی چشم کشا ودیدہ زیب تحریر کے ساتھ باصرہ نواز ہوا، اولاً حضرت والا کا اداریہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی اور پھر مولانا بدر الحسن قاسمی کویت کا تجزیہ بڑا انوکھا تھا جو بہت پسند آیا، چلتے چلتے جب احقر کا مضمون ’’ماہ محرم کی شرعی حیثیت‘‘ پر نظر پڑی تو دل فرحت ومسرت سے لبریز ہوگیا، فوراً بارگاہ ایزدی میں دوگانہ شکرانہ ادا کیا۔

یقیناً احقر کے لیے بڑی سعادت ونیک بختی ہے کہ مضمون کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا، اولاً یہ خدا تعالی کا ہی احسان وفضل ہے اور آپ حضرات کی ذرہ نوازی کہ آپ نے احقر کی ہمت افزائی کی، نیز یقین محکم ہے کہ آئندہ بھی آنجناب کا اس طرح کا علمی تعاون احقر کے ساتھ جاری وساری رہے گا۔

ہم اساتذہ وطلبہ آپ کے نوک قلم سے ابلتے ہوئے چشمے، انمٹ نقوش اور انمول تحفہ کے شدت سے منتظر رہیں گے۔ والسلام

خادم الطلبہ محمد جاوید سعادتی

دار العلوم ابوبکر صدیق، پھلٹن، ضلع ستارہ

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

چیف ایڈیٹر کا مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ میں طلبہ سے خطاب

۶/دسمبر ۲۰۱۱ء بروز منگل مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر میں مرکز کے روح رواں مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی عصر سے پہلے حاضری ہوئی، مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی سے ملاقات ہوئی، عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھی، مہتمم مدرسہ نے بچوں سے خطاب کرنے کی درخواست کی، چنانچہ موصوف نے طلبہ سے خطاب کیا، طلبہ کو ان کا مقام ومنصب یاد دلایا، اور فرمایا کہ آپ لوگ مہمانان رسول ہیں، سمندر کی مچھلیاں آپ کے لیے دعائیں کرتی ہیں، فرشتے آپ لوگوں کے لیے پر بچھاتے ہیں، پھر جس سے آپ کی نسبت ہے وہ بہت عالی مقام ہے، اس لیے آپ لوگوں کی ذمہ داری بھی بڑی ہے، بڑا مقام ومرتبہ ہے، تو ذمہ داری بھی بڑی ہے، مزید یہ بھی بتلایا کہ آپ بہترین حافظ بنئے، بہترین عالم بنئے اور جو بھی بننا ہے وہ بہترین بنئے، نیز فرمایا کہ آپ اپنے اندر نافعیت پیدا کیجئے، اس لیے کہ نافعیت بقاء کی ضامن ہے، اور اچھا کردار اور اعلیٰ اخلاق حاصل کرنے کی طرف رہنمائی کی، اس کے بعد دعا فرمائی۔

عقیقہ مسنونہ

۸/دسمبر ۲۰۱۱ء جمعرات کی صبح پونے آٹھ بجے ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے چیف ایڈیٹر مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے یہاں لڑکی کی ولادت ہوئی، ۱۴/دسمبر ۲۰۱۱ء بدھ کو عقیقہ مسنونہ ہوا، اور بچی کا نام خدیجہ عزیزی رکھا گیا، اللہ تعالیٰ اس بچی کو نیک صالح اور والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے۔

مرکز میں یوم جمہوریہ کی تقریب

۲۶/جنوری بروز جمعرات ۲۰۱۲ء مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد میں یوم جمہوریہ کا پروگرام بڑی دھوم دھام سے منایا گیا، جس میں قرب وجوار کے لوگوں نے بھی شرکت کی، واضح رہے کہ پروگرام میں مرکز کے بچوں نے اپنا ثقافتی پروگرام بھی پیش کیا، سب سے پہلے ترنگا جھنڈا لہرا گیا، اس کے بعد قومی ترانہ گنگنایا گیا، قومی ترانہ کے بعد مرکز کے بچوں نے آزادی وطن کے متعلق تقریریں کیں، اور اس میں تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہوئے آزادی ہند اور جمہوریت کے عنوان سے روشنی ڈالی، پروگرام کی نظامت کے فرائض مولانا اقبال احمد ندوی نے انجام دیے، مہمان خصوصی کے طور پر پروفیسر وپن کمار ترپاٹھی (آئی، آئی، ٹی) دہلی نے شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا، اس کے بعد مرکز کے روح رواں مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، نیز یوم جمہوریہ کے بارے میں تھوڑی سی روشنی ڈالی اور انہی کی مختصر سی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

وفیات

۞ ۱۲/دسمبر ۲۰۱۱ء دارعرفات کے ڈائرکٹر اور مدیر سہ ماہی تعمیر افکار مولانا سید احمد علی حسنی ندوی رائے بریلی کا انتقال ہوگیا، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی کتاب ''قصص النبیین'' کا ترجمہ ان کا علمی شاہکار ہے، پندرہ بیس روز صاحب فراش رہے اور ۱۲/دسمبر کو مغرب کے قریب مالک حقیقی سے جا ملے۔

۞ ۲۸/دسمبر ۲۰۱۱ء دارعرفات کے خازن جناب سید محمد مسلم حسنی صاحب کا انتقال ہوگیا، سید محمد مسلم حسنی صاحب مرحوم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خالہ زاد بہن کے فرزند اور حقیقی بھتیجی کے شوہر تھے، ان کی زندگی قابل رشک تھی، موصوف عالم تو نہیں تھے مگر ان کا دینی مطالعہ علماء کے علم پر بھاری تھا۔

۞ ۴/جنوری ۲۰۱۲ء بروز بدھ کی صبح حافظ محمد شبر صاحب استاد مدرسہ عربیہ رحمانیہ نور العلوم جوری کی بیٹی شہناز بیگم کا انتقال ہوگیا ہے، حافظ محمد شبر صاحب مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری مدیر معاون ماہنامہ نقوش اسلام'' کے مکتب کے استاد ہیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔

۞ ۱۴/جنوری ۲۰۱۲ء مدرسہ خادم العلوم باغوں والی کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف صاحب قاسمی کا معمولی علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

۞ یکم فروری ۲۰۱۲ء بروز بدھ کو ماہنامہ نقوش اسلام کے چیف ایڈیٹر مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے استاذ جناب منشی اللہ بخش حسن صاحبؒ کے بیٹے محمد جعفر کا چند روز علیل رہ کر چنڈی گڑھ میں انتقال ہوگیا، اور انکی تدفین پپلی مزرعہ ضلع یمنانگر میں عمل میں آئی۔

ادارہ ''نقوش اسلام'' مرحومین کے وارثین کے غم میں برابر کا شریک ہے، تمام قارئین سے مرحومین کیلئے دعائے مغفرت اور بلندی درجات کی درخواست ہے۔